اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ (الحدیث)

حقیقۃ الدُّعاء

فرمودات

مامورِ زمانہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصّلوٰۃ والسّلام

مُرتّبہ

مولوی بشیر احمد قمر، شاہد مربی سِلسلہ عالیہ احمدیہ

النّاشر:۔ محمد افضل بٹ، احمد نگر، ضلع جھنگ پاکستان،

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ (الحدیث)

حقیقۃ الدعا

فرمودات

حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام

مرتبہ

مکرم بشیر احمد صاحب قمر شاہد مربی سلسلہ احمدیہ

قیمت :- ۱-۲۵

پیش لفظ

حقیقۃ الدعا کا مسودہ مکرم بشیر احمد صاحب قمر شاہد مربی سلسلہ احمدیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک خواہش پر اکٹھا کیا ہے جس کا ذکر کتاب کے شروع میں کیا گیا ہے۔ یہ تالیف سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات عالیہ اور کلمات طیبہ پر مشتمل ہے۔ جو حضور علیہ السلام نے اپنے قبولیت دعا کے ذاتی تجربہ اور علم و بصیرت کی روشنی میں متفرق مواقع پر بیان فرمائے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ یہ تالیف احباب جماعت اور قارئین کرام کے لئے دعا کی اہمیت و ضرورت اور آداب و اصول کو سمجھنے کیلئے مفید ہوگی۔

بالآخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جماعت کے ہر فرد کو دعا کی قبولیت کا یہ امتیازی نشان ہمیشہ اسلام میں قائم رکھنے کی توفیق بخشے۔ تا جہاں اسلام کا یہ فخر اور امتیاز قائم رہے۔ وہاں وہ معرفت و تعلق باللہ میں حق الیقین کے مرتبہ پر پہنچ سکیں۔ اور مؤلف و ناشر کی کوشش کو بار آور فرمائے۔

قاضی محمد نذیر

ناظر اصلاح و ارشاد صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ ۹۶۵ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ‌‌ ٭ ‌‌ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْد

خاکسار نے "حقیقۃ الدعا" کا مسودہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب و ملفوظات میں سے حضور کی اس خواہش پر ایک حد تک اکٹھا کرنے کی کوشش کی ہے جس کا اظہار حضور اقدس نے ۸ رجنوری ۱۹۰۲ء کو اس طرح کیا۔ کہ

"میں نے ارادہ کیا ہوا ہے کہ ایک بار اور شرح و لبسط کے ساتھ دُعا کے مضمون پر رسالہ لکھوں مسلمان دُعا سے بالکل ناواقف ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ جن کو بدقسمتی سے ایسا موقعہ ملا کہ دعا کریں مگر انہوں نے صبر اور استقلال سے چونکہ کام نہ لیا۔ اس لئے نامراد رہ کر سید احمد خانی مذہب اختیار کر لیا کہ دعا کوئی چیز نہیں یہ دھوکا اور غلطی اس لئے لگتی ہے کہ وہ حقیقت دعا سے ناواقف ہونے ہیں اور اس کے اثر سے بے خبر اور اپنی مالی امیدوں کو پورا نہ ہوتے دیکھ کر کہہ اٹھتے ہیں کہ دعا کوئی چیز نہیں۔ اور اس سے برگشتہ ہو جاتے ہیں۔ دُعا ربوبیت اور عبودیت کا ایک کامل رشتہ ہے۔ اگر دعاؤں کا اثر نہ ہوتا تو پھر اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔" (ملفوظات جلد ۳ صفحہ ۲۰۷)

میں سیدی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے رضی اللہ عنہ کا ایک اقتباس درج کر کے قارئین کرام سے مؤدبانہ درخواست دعا کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور ہر پڑھنے والے کو اس رسالہ سے کما حقہٗ فائدہ اٹھانے کی توفیق بخشے تا اسلام کا شرف اور امتیاز ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب رضی اللہ عنہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی قبولیتِ دُعا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

"حق یہ ہے کہ احمدیت کی تاریخ دعاؤں کی قبولیت کے نشانوں سے بھری پڑی ہے۔ مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگ نیکی اور تقویٰ اختیار کر کے اس قسم کی قدرت نمائیوں کیلئے اپنے اندر اہلیت اور صلاحیت پیدا کریں۔ اسلام کا خدا زندہ اور قادر مطلق خدا ہے۔ وہ کسی زمانہ میں بھی اپنے نیک بندوں کا ہاتھ چھوڑ کر پیچھے نہیں ہٹتا۔ مگر بعض لوگ خود ہی اپنی سستیوں اور غفلتوں کی وجہ سے اُس کی رحمت کے سایہ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ کاش جماعت احمدیہ قیامت تک اس خدائی نعمت سے محروم نہ ہو، اور اس کے اندر ہمیشہ ایسے صالح اور پاکباز لوگ پیدا ہوتے رہیں جو دعاؤں کی قبولیت کے ذریعہ جماعت میں روحانیت کو زندہ اور مذاہب کی کشمکش میں اسلام کو غالب رکھیں۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔" آمین

چار نفر ریں حصّہ ۳ ص ۱۱۵

طالبِ دعا احقر العباد بشیر احمد قمر شاہد

ہجومِ مشکلات میں کامیابی حاصل کرنے کا طریق

ذیل میں جو نظم درج کی جاتی ہے یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک صاحب شیخ محمد بخش رئیس کڑیانوالہ ضلع گجرات کو لکھ کر عطا فرمائی تھی جبکہ وہ سخت مالی مشکلات میں مبتلا تھے۔ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا کے طفیل ان کی تکالیف دُور کر دیں ؛ (منقول از اخبار "الفضل" ۱۳ جنوری سنہ ۱۹۴۰ء)

راک نہ اِک دن پیش ہوگا تو خدا کے سامنے ۔ چل نہیں سکتی کسی کی کچھ قضا کے سامنے

چھوڑنی ہوگی تجھے دنیائے فانی ایک دن ۔ ہر کوئی مجبور ہے حکمِ خدا کے سامنے

مستقل رہنا ہے لازم اے بشر تجھ کو سدا ۔ رنج و غم یاس و الم فکر و بلا کے سامنے

بارگاہِ ایزدی سے تو نہ یوں مایوس ہو ۔ مشکلیں کیا چیز ہیں مشکل کُشا کے سامنے

حاجتیں پوری کریں گے کیا تری عاجز بشر ۔ کر بیاں سب حاجتیں حاجت روا کے سامنے

چاہیے تجھ کو مٹانا قلب سے نقشِ دُوئی ۔ سر جھکا بس مالکِ ارض و سما کے سامنے

چاہیے نفرت بدی سے اور نیکی سے پیار ۔ ایک دن جانا ہے تجھ کو بھی خُدا کے سامنے

راستی کے سامنے کب جھوٹ پھلتا ہے بھلا

قدر کیا پتھر کی لعلِ بے بہا کے سامنے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسانی پیدائش کی غرض

انسانی پیدائش کی غرض خداشناسی ہے

"امر مقدم اور ایک بھاری مرحلہ جو ہمیں طے کرنا چاہیئے وہ خداشناسی ہے۔ اگر ہماری خداشناسی ہی ناقص اور مشتبہ اور دھندلی ہو تو ہمارا ایمان ہرگز منور اور چمکیلا نہیں ہو سکتا۔ اور یہ خداشناسی جب تک رحیمیت کی صفت کے ذریعہ سے ہمارا چشم دید واقعہ نہ بن جائے۔ تب تک ہم کسی طرح سے اپنے ربّ کریم کی حقیقی معرفت کے چشمہ سے آب زلال نہیں پی سکتے"[1]

"انسانی پیدائش کی اصل غرض اور مقصد بھی یہی ہے کہ وہ خدا کے لئے ہو جائے۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام کی غرض اسی مقصد کی طرف انسان کو راہنمائی کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ اپنی گم شدہ متاع اور مقصد کو پھر حاصل کر سکے"[2]

"ہماری تمام سعادت خداشناسی میں ہے۔ اور نفسانی جذبات کو اُن کے طوفان سے روکنے والی وہ معرفت کاملہ ہے جس سے ہمیں پتہ لگ جائے کہ درحقیقت خدا ہے اور درحقیقت وہ بڑا قادر اور بڑا رحیم اور ذو العذاب الشدید

---

[1] ایام الصلح ص۱۶ [2] ۲۰۵ م ۳ ص۷۹

بھی ہے۔ یہی وہ نسخہ مجربہ ہے جس سے سچی تبدیلی ہوتی ہے اور انسان کی منفردانہ زندگی پر موت آجاتی ہے۔[1]

دُعا کی اہمیّت وضرورت

اسلام میں خداشناسی کا زبردست ذریعہ دعا ہے

سچ تو یہ ہے کہ ہمارا خدا تو دعاؤں ہی سے پہچانا جاتا ہے۔ دنیا میں جس قدر قومیں ہیں کسی قوم نے ایسا خدا نہیں مانا۔ جو جواب دیتا ہو۔ اور دعاؤں کو سنتا ہو۔ کیا ایک ہندو ایک پتھر کے سامنے بیٹھ کر یا درخت کے آگے کھڑا ہو کر یا بیل کے رُوبرُو ہاتھ جوڑ کر کہہ سکتا ہے کہ میرا خدا ایسا ہے کہ مَیں اُس سے دعا کروں۔ تو یہ مجھے جواب دیتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیا ایک عیسائی کہہ سکتا ہے کہ مَیں نے یسوع کو خدا مانا ہے۔ وہ میری دُعا کو سنتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بولنے والا صرف ایک ہی ہے جو اسلام کا خدا ہے جو قرآن نے پیش کیا ہے۔ جس نے کہا اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ تم مجھے پکارو میں تم کو جواب دوں گا۔ اور یہ بالکل سچی بات ہے۔ کوئی ہو جو ایک عرصہ تک سچی نیّت

---

[1] کتاب البریہ صفحہ ۹۶ بحوالہ روحانی خزائن جلد ۱۳

اور صفائی قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہو۔ وہ مجاہدہ کرے جو دعاؤں میں لگا رہے۔ آخر اس کی دعاؤں کا جواب اسے ضرور دیا جائیگا۔

قرآن شریف میں ایک مقام پر اُن لوگوں کے لئے جو گوسالہ پرستی کرتے ہیں۔ اور گوسالہ کو خدا بناتے ہیں آیا ہے۔ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْھِمْ قَوْلًا۔ کہ وہ ان کی بات کا کوئی جواب ان کو نہیں دیتا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو خدا بولتے نہیں ہیں۔ وہ گوسالہ ہی ہیں۔ ہم نے عیسائیوں سے بارہا پوچھا ہے کہ اگر تمہارا خدا ایسا ہی ہے جو دعاؤں کو سنتا ہے اور ان کے جواب دیتا ہے تو بتاؤ وہ کس سے بولتا ہے۔ تم جو یسوع کو خدا کہتے ہو پھر اس کو بلا کر دکھاؤ۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ سارے عیسائی اکٹھے ہو کر بھی یسوع کو پکاریں وہ یقیناً کوئی جواب نہ دے گا۔ کیونکہ وہ مر گیا ہے ...... غرض یہ مسلمانوں کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ اُن کا خدا دعاؤں کو سننے والا ہے [1]

اللہ تعالیٰ کی شناخت کی یہ زبردست دلیل اور اس کی ہستی پر بڑی بھاری شہادت ہے کہ محو و اثبات اس کے ہاتھ میں ہے۔ یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَ یُثْبِتُ دیکھو اجرامِ سماوی کتنے بڑے اور عظیم الشان نظر آتے ہیں۔ اور اُن کی عظمت کو دیکھ کر ہی بعض

---

[1] ۵ م ۳ صفحہ ۲۰۱، ۲۰۲

نادان ان کی پرستش کی طرف جُھک پڑے ہیں۔ اور انہوں نے ان میں صفات الٰہیہ کو مان لیا۔ جیسے ہندو یا اور دوسرے بُت پرست یا آتش پرست وغیرہ جو سورج کی پوجا کرتے ہیں۔ اور اس کو اپنا معبود سمجھتے ہیں۔ کیا وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ سورج اپنے اختیار سے چڑھتا ہے یا چھپتا ہے؟ ہرگز نہیں اور اگر وہ کہیں بھی تو وہ ان کا کیا ثبوت دے سکتے ہیں وہ ذرا سورج کے سامنے یہ دُعا تو کریں کہ ایک دن وہ نہ چڑھے یا دوپہر کو مثلاً چھُپ جاوے۔ تاکہ معلوم ہو کہ وہ کوئی اختیار اور ارادہ بھی رکھتا ہے۔ اس کا ٹھیک وقت پر طلوع اور غروب تو صاف ظاہر کرتا ہے کہ اس کا اپنا ذاتی کوئی اختیار اور ارادہ نہیں ہے۔ ارادہ کا مالک تب ہی معلوم ہوتا ہے کہ دعا قبول ہو اور کرنیوالے امر کو کرے اور نہ کرنے والے کو نہ کرے۔

غرض اگر قبولیت دعا نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر بہت سے شکوک پیدا ہو سکتے تھے اور ہوئے۔ در حقیقت یہی جو لوگ قبولیت دُعا کے قائل نہیں ہیں۔ اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کی ہستی کی کوئی دلیل ہی نہیں ہے میرا تو یہ مذہب ہے کہ جو دعا اور اس کی قبولیت پر ایمان نہیں لاتا وہ جہنم میں جائے گا۔ وہ خدا ہی کا قائل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شناخت کا یہی طریق ہے کہ اس وقت تک دعا کرتا رہے۔ جب تک خدا اس کے

دل میں یقین نہ بھر دے اور انا الحق کی آواز اس کو نہ آجاوے۔[1]

"دعا اور استجابت میں ایک رشتہ ہے کہ ابتداء سے اور جب سے کہ انسان پیدا ہوا برابر چلا آتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ کا ارادہ کسی بات کے کرنے کے لئے توجہ فرماتا ہے تو سنت اللہ یہ ہے کہ اس کا کوئی مخلص بندہ اضطراب اور کرب اور قلق کے ساتھ دعا کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور اپنی تمام ہمت اور تمام توجہ اس امر کے ہو جانے کے لئے مصروف کرتا ہے۔ تب اس مردِ فانی کی دُعائیں فیوضِ الٰہی کو آسمان سے کھینچتی ہیں اور خدا تعالیٰ ایسے نئے اسباب پیدا کر دیتا ہے جن سے کام بن جائے"......

یہی دعا ہے جس سے خدا پہچانا جاتا ہے اور اس ذوالجلال کی ہستی کا پتہ لگتا ہے۔ جو ہزاروں پردوں میں مخفی ہے۔ دُعا کرنے والوں کے لئے آسمان زمین سے نزدیک آجاتا ہے اور دُعا قبول ہو کر مشکلکشائی کے لئے نئے اسباب پیدا کئے جاتے ہیں اور اس کا علم پیش از وقت دیا جاتا ہے۔ اور کم سے کم میخ آہنی کی طرح قبولیت دُعا کا یقین غیب سے دل میں بیٹھ جاتا ہے۔ سچ یہی ہے کہ اگر دعا نہ ہوتی تو کوئی انسان خداشناسی کے بارے میں حق الیقین تک نہ پہنچ سکتا۔

دعا سے الہام ملتا ہے۔ دعا سے ہم خدا تعالیٰ کے ساتھ کلام کرتے ہیں

[1] ص ۲۰۴/۲۰۵

جب انسان اخلاص اور توحید اور محبت اور صدق اور صفا کے قدم سے دعا کرتا کرتا فنا کی حالت تک پہنچ جاتا ہے تب وہ زندہ خدا اُس پر ظاہر ہوتا ہے۔ جو لوگوں سے پوشیدہ ہے۔ دُعا کی ضرورت نہ صرف اس وجہ سے ہے کہ ہم اپنے دنیوی مطالب کو پاویں۔ بلکہ کوئی انسان بغیر ان قدرتی نشانوں کے ظاہر ہونے کے جو دعا کے بعد ظاہر ہوتے ہیں۔ اُس سچے ذوالجلال خدا کو پا ہی نہیں سکتا جس سے دل دور پڑے ہوئے ہیں۔ نادان خیال کرتا ہے کہ دعا ایک لغو اور بیہودہ امر ہے۔ مگر اسے معلوم نہیں کہ صرف ایک دُعا ہی ہے جس سے خداوند ذوالجلال ڈھونڈنے والوں پر تجلی کرتا اور اَنَا الْقَادِر کا الہام ان کے دلوں پر ڈالتا ہے۔ ہر ایک یقین کا بھوکا اور پیاسا یاد رکھے کہ اس زندگی میں روحانی روشنی کے طالب کے لئے صرف دعا ہی ایک ذریعہ ہے جو خدا تعالیٰ کی ہستی پر یقین بخشتا اور تمام شکوک و شبہات دور کر دیتا ہے۔ کیونکہ جو مقاصد بغیر دعا کے کسی کو حاصل ہوں وہ نہیں جانتا کہ کیونکر اور کہاں سے اس کو حاصل ہوئے ہیں[1]

خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں ایک جگہ پر اپنی شناخت کی یہ علامت ٹھہرائی ہے کہ تمہارا خدا وہ خدا ہے جو بے قراروں کی دُعا سنتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ پھر جب کہ

---

[1] ایام الصلح ص ۱۱

خدا تعالیٰ نے دُعا کی قبولیت کو اپنی ہستی کی علامت ٹھیرائی ہے۔ تو پھر کس طرح کوئی عقل اور حیا والا گمان کر سکتا ہے کہ دعا کرنے پر کوئی آثار صریحہ اجابت کے مترتب نہیں ہوتے اور محض ایک رسمی امر ہے۔ جس میں کچھ بھی روحانیت نہیں۔ میرے خیال میں ہے کہ ایسی بے ادبی کوئی سچے ایمان والا ہرگز نہیں کرے گا جب کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے کہ جس طرح زمین و آسمان کی صنعت پر غور کرنے سے سچا خدا پہچانا جاتا ہے۔ اسی طرح دعا کی قبولیت کو دیکھنے سے خدا تعالیٰ پر یقین آتا ہے۔

پھر اگر دعا میں کوئی روحانیت نہیں۔ اور حقیقی اور واقعی طور پر دُعا پر کوئی نمایاں فیض نازل نہیں ہوتا۔ تو کیونکر دعا خدا تعالیٰ کی شناخت کا ایسا ذریعہ ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ زمین و آسمان کے اجرام و اجسام ذریعہ ہیں؟ بلکہ قرآن شریف سے تو معلوم ہوتا ہے کہ نہایت اعلیٰ ذریعہ خداشناسی کا دعا ہی ہے اور خدا کی ہستی اور صفاتِ کاملہ کی معرفتِ تامہ یقینیہ کاملہ صرف دعا سے ہی حاصل ہوتی ہے اور کسی ذریعہ سے حاصل نہیں ہوتی۔ وہ امر جو ایک بجلی کی چمک کی طرح ایک دفعہ انسان کو تاریکی کے گڑھے سے کھینچ کر روشنی کی کھلی فضا میں لاتا اور خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر دیتا ہے وہ دُعا ہی ہے[۱]

یاد رکھو کہ یہ اسلام کا فخر اور ناز ہے۔ کہ اس میں دعا کی تعلیم ہے۔ اس میں

---

[۱] ایام الصلح صفحہ ۷

کبھی سستی نہ کرو اور نہ اس سے تھکو۔ پھر دُعا خدا تعالیٰ کی ہستی کا زبردست ثبوت ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے۔ وَ اِذَا سَأَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ یعنی جب میرے بندے تجھ سے سوال کریں کہ خدا کہاں ہے اور اس کا کیا ثبوت ہے تو کہہ دو کہ وہ بہت قریب ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب کوئی دعا کرنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اُسے جواب دیتا ہوں یہ جواب کبھی رویا صالحہ کے ذریعہ ملتا ہے اور کبھی کشف اور الہام کے واسطے سے۔ علاوہ بریں دعاؤں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور طاقتوں کا اظہار ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسا قادر ہے کہ مشکلات کو حل کر دیتا ہے[۱]

اگر کسی بخیل کے دروازہ پر سوالی ہر روز جا کر سوال کرے گا۔ تو آخر ایک دن اُس کو شرم آجاوے گی۔ پھر خدا تعالیٰ سے مانگنے والا جو بے مثل کریم ہے کیوں نہ پائے۔ پس مانگنے والا کبھی نہ کبھی ضرور پا لیتا ہے۔ نماز کا دوسرا نام دُعا بھی ہے۔ جیسے فرمایا۔ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ پھر فرمایا وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ جب میرا بندہ میری بابت

---

[۱] م ص ۲۶۸

سوال کرے پس میں بہت ہی قریب ہوں میں پکارنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں۔ جب وہ پکارتا ہے۔ بعض لوگ اس کی ذات پر شک کرتے ہیں۔ پس میری ہستی کا نشان یہ ہے کہ تم مجھے پکارو اور مجھ سے مانگو۔ میں تمہیں پکاروں گا۔ اور جواب دوں گا۔ اور تمہیں یاد کروں گا۔ اگر یہ کہو کہ ہم پکارتے ہیں پر وہ جواب نہیں دیتا۔ تو دیکھو کہ تم ایک جگہ کھڑے ہو کر ایک ایسے شخص کو جو تم سے بہت دور ہے۔ پکارتے ہو۔ اور تمہارے اپنے کانوں میں کچھ نقص ہے۔ وہ شخص تو تمہاری آواز سن کر تم کو جواب دے گا۔ مگر جب وہ دور سے جواب دے گا۔ تو تم بباعث بہرہ پن کے سُن نہیں سکو گے۔ پس جوں جوں تمہارے درمیانی پردے اور حجاب اور دُوری دور ہوتی جائے گی تو تم ضرور آواز کو سنو گے۔ جب سے دنیا کی پیدائش ہوئی ہے۔ اس بات کا ثبوت چلا آتا ہے کہ وہ اپنے خاص بندوں سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو رفتہ رفتہ بالکل یہ بات نابود ہو جاتی کہ اس کی ہستی ہے بھی۔

پس خدا تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت کا سب سے زبردست ذریعہ یہی ہے کہ ہم اس کی آواز کو سُن لیں۔ یا دیدار یا گفتار۔ پس آج کل کا گفتار قائم مقام ہے دیدار کا۔ ہاں جب تک خدا کے اور اس سائل کے درمیان کوئی حجاب ہے۔ اس وقت تک ہم سُن نہیں سکتے۔ جب درمیانی پردہ

اُٹھ جاوے گا۔ تو اس کی آواز سنائی دے گی۔[1]

خدا پر خدا سے یقین آتا ہے | وہ باتوں سے ذات اپنی سمجھاتا ہے
کوئی اس پاک سے جب لگاتا ہے دل | تو باتوں سے لذت اٹھاتا ہے دل

دیدار گر نہیں تو گفتار ہی سہی
حسن و جمال یار کے آثار ہی سہی

خدا سے دعا مانگنا توحید پرست اور سچے مومن کی علامت ہے۔

غیر اللہ سے سوال کرنا مومنانہ غیرت کے مرتبہ اور سخت مخالف ہے۔ کیونکہ یہ مرتبہ دعا کا اللہ ہی کے لئے ہے۔ جب تک انسان پورے طور پر حنیف ہو کر اللہ تعالیٰ ہی سے سوال نہ کرے اور اسی سے نہ مانگے۔ سچ سمجھو کہ حقیقی طور پر وہ سچا مسلمان اور سچا مومن کہلانے کا مستحق نہیں۔ اسلام کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اس کی تمام طاقتیں اندرونی ہوں یا بیرونی سب کی سب اللہ تعالیٰ ہی کے آستانہ پر گری ہوئی ہوں جس طرح پر ایک بڑا انجن بہت سی کلوں کو چلاتا ہے۔ پس اسی طور پر جب تک انسان اپنے کام اور ہر حرکت و سکون کو اسی انجن کی طاقت عظمیٰ کے ماتحت نہ کر لیوے وہ کیونکر اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا قائل ہو سکتا ہے۔ .... پس یہ بڑی خطرناک

1. ص ۲۲

اور دل کو کپکپا دینے والی بات ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے سے سوال کرے .... میں اس امر کو پھر تاکید سے کہتا ہوں افسوس ہے کہ مجھے وہ لفظ نہیں ملتے جس میں غیر اللہ کی طرف رجوع کرنے کی برائیاں بیان کر سکوں۔ لوگوں کے پاس جا کر منّت خوشامد کرتے ہیں یہ بات خدا تعالیٰ کی غیرت کو جوش میں لاتی ہے۔ ...... میں موٹے الفاظ میں اس کو بیان کرتا ہوں۔ گو یہ امر اس طرح پر نہیں ہے مگر سمجھ میں خوب آسکتا ہے کہ جیسے ایک مرد غیور کی غیرت تقاضا نہیں کرتی کہ وہ اپنی بیوی کو کسی غیر کے ساتھ تعلق پیدا کرتے ہوئے دیکھ سکے اور جس طرح پر وہ مرد ایسی حالت میں اس نابکار عورت کو واجب القتل سمجھتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات ایسی وارداتیں ہو جاتی ہیں ایسا ہی جوش اور غیرت الوہیت کا ہے۔ عبودیت اور دعا خاص اُسی ذات کے مدّ مقابل ہیں۔ وہ پسند نہیں کر سکتا کہ کسی اور کو معبود قرار دیا جاوے یا پکارا جاوے۔ پس خوب یاد رکھو اور پھر یاد رکھو کہ غیر اللہ کی طرف جھکنا خدا سے کاٹنا ہے [1]

دُعا اسلام کا خاص امتیاز اور فخر ہے	دعا ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے ساتھ مسلمانوں کو فخر کرنا

[1] لہ م ۱ ص ۱۶۶، ۱۹۷

چاہیئے۔ دوسری قوموں کو دعا کی کوئی قدر نہیں اور نہ انہیں اس پاک طریق پر کوئی فخر اور ناز ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ فخر اور ناز صرف صرف اسلام ہی کو ہے۔ دوسرے مذاہب اس سے بکلی بے بہرہ ہیں۔ مثلاً عیسائیوں نے جب یہ سمجھ لیا ہے کہ ایک انسان (جس کو انہوں نے خدا مان لیا) نے ہمارے لئے قربانی دے دی ہے۔ انہوں نے اسی پر بھروسہ کر لیا اور سمجھ لیا کہ ہمارے سارے گناہ اس نے اٹھا لیئے ہیں۔ پھر وہ کون سا امر ہے۔ جو اس کو دعا کے لئے تحریک کرے گا۔ ناممکن ہے کہ وہ گداز یش دل کے ساتھ دعا کرے۔ دعا تو وہ کرتا ہے جو اپنی ذمہ داری اور جوابدہی کو سمجھتا ہے۔ لیکن جو شخص اپنے آپ کو بری الذمہ تصور کرتا ہے وہ دعا کیوں کرے گا؟ اس نے تو پہلے ہی سمجھ لیا ہے کہ گناہ دوسرے شخص نے اٹھا لئے ہیں۔ اور اس طرح پر اس کے ذمہ کوئی جوابدہی نہیں۔ تو اس کے دل میں تحریک کس طرح ہو گی۔ اس نے اور شئے پر بھروسہ کر لیا ہے۔ اور اس طرح پر اس طریق سے جو دعا کا طریق ہے وہ دور چلا گیا ہے۔ بغرض ایک عیسائی کے نزدیک دعا بالکل بے سود ہے اور وہ اس پر عمل نہیں کر سکتا۔ اس کے دل میں وہ رقت اور جوش جو دعا کے لیئے حرکت پیدا کرتا ہے نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح پر ایک آریہ جو تناسخ کا قائل ہے اور سمجھتا ہے کہ توبہ

قبول ہی نہیں ہو سکتی اور کسی طرح پر اس کے گناہ معاف نہیں ہو سکتے۔ وہ دعا کیوں کرے گا؟ اس نے تو یہ یقین کیا ہوا ہے جونوں کے چکر میں جانا ضروری ہے۔ اور بیل، گھوڑا، گدھا، گائے، کتا، سوؤر وغیرہ بننا ہے وہ اس راہ کی طرف آئے گا ہی نہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دعا اسلام کا خاص فخر ہے۔ اور مسلمانوں کو اس پر بڑا ناز ہے [۱]

یہ بھی یقیناً سمجھو کہ یہ ہتھیار اور نعمت صرف اسلام ہی میں دی گئی ہے۔ دوسرے مذاہب اس عطیہ سے محروم ہیں۔ آریہ لوگ بھلا کیوں دعا کریں گے جب کہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ تناسخ کے چکر میں سے ہم نکل ہی نہیں سکتے۔ اور کسی گناہ کی معافی کی کوئی امید نہیں۔ ان کو دعا کی کیا حاجت اور کیا ضرورت اور اس سے کیا فائدہ؟ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آریہ مذہب میں دعا ایک بے فائدہ چیز ہے اور پھر عیسائی دعا کیوں کریں گے۔ جب کہ وہ جانتے ہیں کہ دوبارہ کوئی گناہ بخشا نہیں جائے گا۔ کیونکہ مسیح دوبارہ تو مصلوب ہو ہی نہیں سکتا۔ پس یہ خاص اکرام اسلام کے لئے ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ امت مرحومہ ہے۔ [۲]

---

[۱] م ص ۲۶۲، ۲۶۳ ÷ [۲] م ص ۱۹۳

یہ ایک زبردست صداقت ہے جو اسلام میں موجود ہے۔

اس کا انکار ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اس کا زندہ ثبوت ہر زمانہ میں موجود رہتا ہے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں اور اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ اگر انسان اس کو سمجھ لے اور دعا کے راز سے آگاہ ہو جاوے۔ تو اس میں اس کی بڑی ہی سعادت اور نیک بختی ہے اور اس صورت میں سمجھو کہ گویا اس کی ساری مرادیں پوری ہو گئی ہیں۔ ورنہ دنیا کے ہم وغم تو اس قسم کے ہیں کہ انسان کو ہلاک کر دیتے ہیں۔[۱]

قبولیتِ دعا میں مقابلہ کا چیلنج اور اسلام کی فضیلت

اب واضح ہو کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے میری یہ حالت ہے کہ میں صرف اسلام کو سچا مذہب سمجھتا ہوں اور دوسرے مذاہب کو باطل اور سراسر دروغ کا پتلا خیال کرتا ہوں اور میں دیکھتا ہوں کہ اسلام کے ماننے سے نور کے چشمے میرے اندر بہہ رہے ہیں اور محض محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے وہ اعلیٰ مرتبہ مکالمہ الٰہیہ اور اجابت دعاؤں کا مجھے حاصل ہوا ہے کہ بجز سچے نبی کے پیرو کے اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکے گا۔ اور اگر ہندو اور عیسائی وغیرہ اپنے باطل معبودوں سے دعا کرتے کرتے مر بھی جائیں۔ تب بھی ان کو وہ مرتبہ مل نہیں سکتا اور وہ کلام الٰہی

[۱] ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۱۹۵

جو دوسرے ظنی طور پر اس کو مانتے ہیں میں اس کو سُن رہا ہوں اور مجھے دکھلایا اور بتلایا گیا اور سمجھایا گیا ہے کہ دنیا میں فقط اسلام ہی حق ہے اور میرے پر ظاہر کیا گیا کہ یہ سب کچھ بابرکت پیروی حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تجھ کو ملا ہے اور جو کچھ ملا ہے اس کی نظیر دوسرے مذاہب میں نہیں ۔کیونکہ وہ باطل پر ہیں ۔

اب اگر کوئی سچ کا طالب ہے خواہ وہ ہندو ہے یا عیسائی یا آریہ یا یہودی یا برہمو یا کوئی اور ہے اس کے لئے یہ خوب موقعہ ہے۔ جو میرے مقابل پر کھڑا ہو جائے اگر وہ امور غیبیہ کے ظاہر ہونے اور دعاؤں کے قبول ہونے میں میرا مقابلہ کر سکا تو میں اللہ جلشانہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اپنی تمام جائداد غیر منقولہ جو دس ہزار روپیہ کے قریب ہوگی اس کے حوالہ کر دوں گا۔ یا جس طور سے اس کی تسلی ہو سکے اس طور سے تاوان ادا کرنے میں اس کو تسلی دوں گا۔ میرا خدا واحد شاہد ہے کہ میں ہرگز فرق نہ کرونگا اور اگر سزائے موت بھی ہو تو بدل و جان روا رکھتا ہوں۔ ...... اگر میں جھوٹا ہوں تو بہتر ہے کہ کسی سخت سزا سے ہلاک ہو جاؤں ۔ یا اگر میں سچا ہوں تو چاہتا ہوں کہ کوئی ہلاک شدہ میرے ہاتھ سے بچ جائے [1]

[1] آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۷۵ تا ۲۷۷

دُعاؤں کی نصیحت اور اُنکے نتائج و تاثیرات

اپنے گھروں کو دُعاؤں سے پُر کرو | اگر تم چاہتے ہو کہ خیریت سے رہو اور تمہارے گھروں میں امن رہے۔ تو مناسب ہے کہ دُعائیں بہت کرو اور اپنے گھروں کو دعاؤں سے پُر کرو۔ جس گھر میں ہمیشہ دُعا ہوتی ہے خدا تعالیٰ اُسے برباد نہیں کیا کرتا۔ لیکن جو سُستی میں زندگی بسر کرتا ہے اُسے آخر فرشتے بیدار کرتے ہیں۔ اگر تم ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ بہت پکّا ہے۔ وہ کبھی تم سے ایسا سلوک نہ کرے گا۔ جیسا کہ فاسق فاجر سے کرتا ہے۔

مَیں ایک ضروری نصیحت کرتا ہوں، کاش لوگوں کے دل میں پڑ جاوے دیکھو عمر گذری جارہی ہے غفلت کو چھوڑ دو اور تضرع اختیار کرو۔ اکیلے ہو ہو کر خدا تعالیٰ سے دُعا کرو کہ خدا ایمان کو سلامت رکھے اور تم پر وہ راضی اور خوش ہو جائے۔

اپنی ایمانی اور عملی طاقت بڑھانیکے واسطے دُعاؤں میں لگے رہو | دُعا بڑی دولت اور طاقت ہے۔

اور قرآن شریف میں جابجا اس کی ترغیب دی ہے اور ایسے لوگوں کے حالات بھی بتائے ہیں جنہوں نے دعا کے ذریعہ اپنی مشکلات سے نجات پائی۔ انبیاء علیہم السلام کی زندگی کی جڑ اور ان کی کامیابیوں کا اصل اور سچا ذریعہ یہی دعا ہے پس میں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی ایمانی اور عملی طاقت کو بڑھانے کے واسطے دعاؤں میں لگے رہو۔ دعاؤں کے ذریعہ سے ایسی تبدیلی ہوگی جو خاتمہ بالخیر ہو جاوے گا۔[1]

تمام منہیات سے بچنے کی کلید دعا ہے

یہ میری نصیحت ہے جس کو میں ساری نصائح قرآن کا مغز سمجھتا ہوں قرآن شریف کے ۳۰ سپارے ہیں اور وہ سب کے سب نصائح سے لبریز ہیں۔ لیکن ہر شخص نہیں جانتا کہ ان میں سے وہ نصیحت کون سی ہے۔ جس پر اگر مضبوط ہو جاویں اور اس پر پورا عملدرآمد کریں تو قرآن کریم کے سارے احکام پر چلنے اور ساری منہیات سے بچنے کی توفیق مل جاتی ہے۔ مگر میں تمہیں بتاتا ہوں کہ وہ کلید اور قوت دعا ہے۔ دعا کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ میں یقین رکھتا ہوں اور اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ پھر اللہ تعالیٰ ساری مشکلات کو آسان کر دے گا۔[2]

---

[1] ملفوظات جلد ۲ صفحہ ۲۶۹ [2] ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۱۹۳ - ۱۹۴

دُعا کے مواقع

تم کو چاہیئے کہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر دعائیں مانگو اور اس کے فضل کو طلب کرو۔ ہر ایک نماز میں دعا کے لئے کئی مواقع ہیں۔ رکوع، قیام، قعدہ، سجدہ وغیرہ۔ پھر آٹھ پہروں میں پانچ مرتبہ نماز پڑھی جاتی ہے۔ فجر، ظہر، عصر، شام اور عشاء۔ ان پر ترقی کر کے اشراق اور تہجدؔ کی نمازیں ہیں۔ یہ سب دعا ہی کے مواقع ہیں[۱]

بہت نیک وہی ہے جو بہت دُعا کرتا ہے

تم خدا تعالیٰ کے ملنے کی صراط مستقیم تلاش کرو۔ اور دُعا کرو کہ یا الٰہی میں تیرا گنہگار بندہ ہوں اور افتادہ ہوں۔ میری راہنمائی کر ادنیٰ اور اعلیٰ سب حاجتیں بغیر شرم کے خدا سے مانگو اصل معطی وہی ہے بہت نیک وہی ہے جو بہت دعا کرتا ہے[۲]

تمام نبیوں نے دُعا کی تعلیم دی ہے

دنیا میں کوئی نبی نہیں آیا جس نے دعا کی تعلیم نہیں دی۔ یہ دعا ایک ایسی شئے ہے جو عبودیت اور ربوبیت میں ایک رشتہ پیدا کرتی ہے۔ اس راہ میں قدم رکھنا بھی مشکل ہے۔ لیکن جو قدم رکھتا ہے پھر دعا ایک ایسا ذریعہ ہے کہ ان مشکلات کو آسان اور سہل کر دیتا ہے[۳]

دُعا کی فرضیت کے چار اسباب

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے

---

۱ م صفحہ ۲۵۲ ؛ ۲ م صفحہ ۲۲۶ ؛ ۳ م صفحہ ۲۷۰

کہ دعا جو خدا تعالیٰ کی پاک کلام نے مسلمانوں پر فرض کی ہے۔ اس کی فرضیت کے چار سبب ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ تا ہر ایک وقت اور ہر ایک حالت میں خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر توحید پر پختگی حاصل ہو۔ کیونکہ خدا سے مانگنا اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ مرادوں کا دینے والا صرف خدا ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ تا دعا کے قبول ہونے اور مراد کے ملنے پر ایمان قوی ہو۔

۳۔ تیسرے یہ کہ اگر کسی اور رنگ میں عنایت الٰہی شامل حال ہو۔ تو علم اور حکمت زیادت پکڑے۔

۴۔ چوتھے یہ کہ اگر دعا کی قبولیت کا الہام اور رویا کے ساتھ وعدہ دیا جائے اور اسی طرح ظہور میں آوے تو معرفت الٰہی ترقی کرے اور معرفت سے یقین اور یقین سے محبت اور محبت سے ہر ایک گناہ اور غیر اللہ سے انقطاع حاصل ہو۔ جو حقیقی نجات کا ثمرہ ہے۔ لیکن اگر کسی کو بطور خود مرادیں ملتی جائیں اور خدا تعالیٰ سے دوری اور مہجوری ہو تو وہ تمام مرادیں انجام کار حسرتیں ہیں اور وہ تمام مقاصد جن پر فخر کیا جاتا ہے آخر الامر جائے افسوس اور تاسف ہیں۔ دنیا کے تمام عیش آخر رنج سے بدل جائیں گے اور تمام رحمتیں دکھ اور درد دکھائی دیں گی۔ مگر وہ بصیرت اور معرفت جو انسان کو دعا سے حاصل

ہوتی ہے اور وہ نعمت جو دعا کے وقت آسمانی خزانہ سے ملتی ہے وہ کبھی کم نہ ہوگی اور نہ اس پر زوال آئے گا۔ بلکہ روز بروز معرفت اور محبت الٰہی میں ترقی ہو کر انسان اس زینہ کے ذریعہ سے جو دعا ہے۔ فردوس اعلیٰ کی طرف چڑھتا چلا جائے گا۔[1]

دُعا انعامات کی اُمّ ہے

ہر ایک شئے کی ایک اُمّ ہوتی ہے۔ میں نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ کے جو انعامات ہیں اُن کی اُمّ کیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ اُن کی اُمّ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ہے۔ کوئی انسان بدی سے بچ نہیں سکتا جب تک خدا تعالیٰ کا فضل نہ ہو۔ پس اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ فرما کر یہ جتلا دیا کہ عاصم وہی ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔[2]

دُعا رشک کا مقام ہے

دنیا کی دولت اور سلطنت رشک کا مقام نہیں مگر رشک کا مقام دعا ہے۔[3]

دُعا مانگنا قانونِ قدرت کے مطابق ہے

دُعا مانگنا اللہ تعالیٰ کے قانونِ قدرت کے عین مطابق ہے مثلاً ہم عام طور پر دیکھتے ہیں کہ جب بچہ روتا دھوتا ہے اور اضطراب ظاہر کرتا ہے تو ماں کس قدر بے قرار ہو کر اس کو دودھ دیتی ہے الوہیت اور عبودیت

[1] ایام الصلح صفحہ ۱۲-۱۳ ؛ [2] م صفحہ ۳ ؛ [3] م صفحہ ۲۲۹

میں اسی قسم کا ایک تعلق ہے جس کو ہر شخص سمجھ نہیں سکتا۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کے دروازہ پر گر پڑتا ہے اور نہایت عاجزی اور خشوع و خضوع کے ساتھ اس کے حضور اپنے حالات کو پیش کرتا ہے۔ اور اس سے اپنی حاجات کو مانگتا ہے تو الوہیت کا کرم جوش میں آتا ہے اور ایسے شخص پر رحم کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا دودھ بھی ایک گریہ کو چاہتا ہے۔ اس لئے اس کے حضور رونے والی آنکھ پیش کرنی چاہیئے "[1]

قرآن کے اوّل و آخر میں دعا سکھانے میں حکمت

یاد رکھو کہ یہ جو خدا تعالیٰ نے قرآن مجید کی ابتداء بھی دعا سے ہی کی ہے۔ اور پھر اس کو ختم بھی دعا پر ہی کیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ انسان ایسا کمزور ہے کہ خدا کے فضل کے بغیر پاک ہو ہی نہیں سکتا۔ اور جب تک خدا تعالیٰ سے مدد اور نصرت نہ ملے۔ یہ نیکی میں ترقی کر ہی نہیں سکتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ سب مُردے ہیں مگر جس کو خدا زندہ کرے اور سب گمراہ ہیں۔ مگر جس کو خدا ہدایت دے۔ اور سب اندھے ہیں مگر جس کو خدا بینا کرے۔ غرض یہ سچی بات ہے کہ جب تک خدا کا فیض حاصل نہیں ہوتا۔ تب تک دنیا کی محبت کا طوق گلے کا ہار رہتا ہے اور وہی اس سے خلاصی پاتے ہیں۔ جن پر خدا اپنا فضل کرتا ہے مگر یاد رکھنا چاہیئے

---

[1] م ص ۳۵۲

کہ خدا کا فیض بھی دعا سے شروع ہوتا ہے۔ "ل

انسان کا دُعا کرنا اسکی انسانیت کا خاصہ اور صفت رحیمیت کا تقاضا ہے

قرآن شریف کی اصطلاح کے رُو سے خدا تعالیٰ رحیم اُس وقت کہلاتا ہے۔ جب کہ لوگوں کی دُعا اور تضرع اور اعمالِ صالحہ کو قبول فرما کہ آفات اور بلاؤں اور تضیع اعمال سے ان کو محفوظ رکھتا ہے۔ یہ احسان دوسرے لفظوں میں فیض خاص سے موسوم ہے اور صرف انسان کی نوع سے مخصوص ہے۔ دوسری چیزوں کو خدا نے دعا اور تضرع اور اعمال صالحہ کا ملکہ نہیں دیا۔ مگر انسان کو دیا ہے۔ انسان حیوانِ ناطق ہے اور اپنی نطق کے ساتھ بھی خدا تعالیٰ کا فیض پا سکتا ہے دوسری چیزوں کو نُطق عطا نہیں ہوا۔ پس اس جگہ سے ظاہر ہے کہ انسان کا دُعا کرنا اس کی انسانیت کا خاصہ ہے جو اس کی فطرت میں رکھا گیا ہے۔ اور جس طرح خدا تعالیٰ کی صفات ربوبیت اور رحمانیت سے فیض حاصل ہوتا ہے اسی طرح صفت رحیمیت سے بھی ایک فیض حاصل ہوتا ہے صرف فرق یہ ہے کہ ربوبیت اور رحمانیت کی صفتیں دُعا کو نہیں چاہتیں۔ کیونکہ وہ دونوں صفات انسان سے خصوصیت نہیں رکھتیں۔ اور تمام پرند چرند کو اپنے فیض سے مستفیض کر رہی ہیں۔ بلکہ صفت ربوبیت تو تمام حیوانات اور

ل نمبر ۱۲

نباتات اور جمادات اور اجرام ارضی اور سماوی کو فیض رساں ہے اور کوئی چیز اس کے فیض سے باہر نہیں۔ برخلاف صفت رحیمیت کے کہ وہ انسان کے لئے ایک خلعتِ خاصہ ہے اور اگر انسان ہو کر اس صفت سے فائدہ نہ اٹھاوے تو گویا ایسا انسان حیوانات بلکہ جمادات کے برابر ہے۔ جب کہ خدا تعالیٰ نے فیض رسانی کی چار صفات اپنی ذات میں رکھی ہیں اور رحیمیت کو جو انسان کی دُعا کو چاہتی ہے خاص انسان کے لئے مقرر فرمایا ہے پس اس سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ میں ایک قسم کا وہ فیض ہے جو دعا کرنے سے وابستہ ہے اور بغیر دُعا کے کسی طرح مل نہیں سکتا۔[1]

حقیقی دُعا کے واسطے بھی دُعا ہی کی ضرورت ہے

حصولِ فضل کا اقرب طریق دعا ہے اور دعا کامل کے لوازمات یہ ہیں کہ اس میں رقّت ہو۔ اضطراب ہو اور گدازش ہو۔ جو دُعا عاجزی اور اضطراب اور شکستہ دلی سے بھری ہوئی ہو۔ وہ خدا تعالےٰ کے فضل کو کھینچ لاتی ہے اور قبول ہو کر اصل مقصد تک پہنچاتی ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ یہ بھی خدا تعالیٰ کے فضل کے بغیر نہیں ہو سکتی اور پھر اس کا علاج یہی ہے کہ دُعا کرتا رہے خواہ کیسی ہی بے دلی اور بے ذوقی ہو۔ لیکن یہ بیبرنہ ہو۔ تکلف اور تصنع سے کرتا ہی رہے۔ اصلی اور حقیقی دُعا کے واسطے بھی دعا

[1] ایام الصلح صفحہ 22

ہی کی ضرورت ہے بہت سے لوگ دعا کرتے ہیں اور اُن کا دل سیر ہو جاتا ہے وہ کہہ اٹھتے ہیں کہ کچھ نہیں بنتا۔ مگر ہماری نصیحت یہی ہے کہ اس خاک بیزی ہی میں برکت ہے۔ کیونکہ گوہر مقصود اسی سے نکل آتا ہے۔ اور ایک دن آجاتا ہے کہ جب اس کا دل زبان کے ساتھ متفق ہو جاتا ہے۔ اور پھر خود ہی وہ عاجزی اور رقت جو دعا کے لوازمات ہیں پیدا ہو جاتے ہیں جو رات کو اٹھتا ہے خواہ کتنی ہی عدم حضور اور بے صبری ہو۔ لیکن اگر وہ اس حالت میں بھی دعا کرتا ہے کہ الٰہی دل تیرے ہی قبضہ اور تصرف میں ہے تو اس کو صاف کر دے اور عین قبض کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے بسط چاہیئے۔ تو اس قبض سے بسط نکل آئے گی اور رقت پیدا ہو جائے گی یہی وہ وقت ہوتا ہے۔ جو قبولیت کی گھڑی کہلاتا ہے۔ وہ دیکھے گا کہ اس وقت روح آستانۂ الوہیت پر پانی کی طرح بہتی ہے اور گویا ایک قطرہ ہے جو اوپر سے نیچے کی طرف گرتا ہے۔

اور اگر دعا کو دل نہ چاہے اور پورا خشوع خضوع دعا میں حاصل نہ ہو تو اس کے حصول کے واسطے بھی دعا کرے اور اس بات سے ابتلا میں نہ پڑے کہ میری دعا تو صرف زبان پر ہی ہوتی ہے۔ دل سے نہیں نکلتی۔ دعا کے جو لفظ ہوتے ان کو زبان سے ہی کہتا رہے۔ آخر استقلال اور صبر سے ایک دن دیکھ لے گا کہ زبان کے ساتھ اس کا دل بھی شامل ہو گیا ہے اور عاجزی

وغیرہ لوازمات دعا میں پیدا ہو جائیں گے۔"[۱]

دُعا جامع کرنی چاہیئے

ایک دوست نے کسی خاص چیز کے حصول کے واسطے دعا کے لئے عرض کیا اس پر حضور نے فرمایا۔

"یہی دعا کرو کہ جو امر اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتر ہے۔ وہی ہو جائے کیونکہ بعض دفعہ انسان ایک چیز کو اپنے لئے بہتر سمجھ کر خدا تعالیٰ سے دُعا مانگتا ہے وہ حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن اور شر اس سے پیدا ہوتا ہے جو پہلے شر سے بڑھ کر ہوتا ہے اس واسطے دعا جامع کرنی چاہیئے۔ میں آپ کے واسطے دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ آپ کو محفوظ رکھے اور در اصل محفوظ رکھنے والا وہی ہے"[۲]

سب سے بہتر دُعا

سب سے عمدہ دعا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی رضامندی اور گناہوں سے نجات حاصل ہو۔ کیونکہ گناہوں ہی سے دل سخت ہو جاتا ہے۔ اور انسان دنیا کا کیڑا بن جاتا ہے۔ ہماری دعا یہ ہونی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ ہم سے گناہوں کو جو دل کو سخت کر دیتے ہیں دور کر دے اور اپنی رضامندی کی راہ دکھلائے"[۳]

(یہ قاعدہ یاد رکھو کہ جب دُعا سے باز نہیں آتا اور اس میں لگا رہتا ہے تو آخر دعا قبول ہو جاتی ہے۔ مگر یہ بھی یاد رہے کہ باقی ہر قسم کی دعائیں طفیلی

۱؎ م ص ۹۳-۹۴ ؛ ۲؎ م ص ۲۴۲-۲۴۳ ؛ ۳؎ م ص ۳۹

ہیں۔ اصل دعائیں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے واسطے کرنی چاہئیں۔ باقی دعائیں خود بخود قبول ہو جائیں گی۔ کیونکہ گناہ کے دور ہونے سے برکات آتی ہیں۔ یوں دعا قبول نہیں ہوتی جو نری دنیا ہی کے واسطے ہو۔ اس لئے پہلے خدا تعالیٰ کو راضی کرنے کے واسطے دعائیں کرے اور وہ سب سے بڑھ کر دعا اھدنا الصراط المستقیم ہے۔ جب یہ دعا کرتا رہیگا تو وہ منعم علیہم کی جماعت میں داخل ہوگا۔ جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے دریا میں غرق کر دیا ہے۔ ان لوگوں کے زمرہ میں جو منقطعین ہیں داخل ہو کر یہ وہ انعامات الٰہی حاصل کرے گا جیسے عادت اللہ ہمیشہ سے جاری ہے یہ کبھی کسی نے نہیں سنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک راستباز متقی کو رزق کی مار دے۔ بلکہ وہ تو سات پشت تک بھی رحم کرتا ہے۔ قرآن شریف میں خضر اور موسیٰؑ کا قصہ درج ہے کہ انہوں نے ایک خزانہ نکالا اس کی بابت کہا گیا ہے کہ ابوھما صالحا (ان دونوں کا باپ صالح تھا نافل) اس آیت میں ان کے والدین کا ذکر تو ہے لیکن یہ ذکر نہیں کہ وہ لڑکے خود کیسے تھے۔ باپ کے طفیل سے اس خزانہ کو محفوظ رکھا تھا۔ اور اس لئے ان پر رحم کیا گیا۔ لڑکوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ ستاری سے کام لیا۔ توریت اور ساری آسمانی کتابوں سے پایا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ متقی کو ضائع نہیں کرتا۔ اس لئے پہلے ایسی دعائیں کرنی چاہئیں۔ جن سے نفس امارہ

نفس مطمئنہ ہو جاوے اور اللہ تعالیٰ راضی ہو جاوے۔ پس اھدنا الصراط المستقیم کی دعائیں مانگو کیونکہ اس کے قبول ہونے پر جو یہ خود مانگتا ہے خدا تعالیٰ خود دیتا ہے"۔[۱]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک دعا

"اے رب العالمین تیرے احسانوں کا میں شکر نہیں کر سکتا تو نہایت ہی رحیم و کریم ہے۔ تیرے بے غایت مجھ پر احسان ہیں۔ میرے گناہ بخش تا میں ہلاک نہ ہو جاؤں۔ میرے دل میں اپنی خالص محبت ڈال تا مجھے زندگی حاصل ہو۔ اور میری پردہ پوشی فرما۔ اور مجھ سے ایسے عمل کرا جن سے تو راضی ہو جائے۔ میں تیری وجہ کریم کے ساتھ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ تیرا غضب مجھ پر وارد ہو۔ رحم فرما۔ اور دنیا اور آخرت کی بلاؤں سے مجھے بچا کہ ہر ایک فضل و کرم تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ آمین ثم آمین"[۲]

دُعا بھی کامل پاکیزگی حاصل کرنیکا ایک ذریعہ ہے

حقیقی پاکیزگی تب حاصل ہوتی ہے جب انسان گندی زندگی سے توبہ کر کے ایک پاک زندگی کا خواہاں ہو۔ اور اس کے حصول کے لئے صرف تین باتیں ضروری ہیں۔ ایک تدبیر اور مجاہدہ کہ جہاں تک ممکن ہو گندی زندگی

۱؎ م ۶ ص ۳۸۵-۳۸۷ :: ۲؎ م ۲ ص ۲۳۵

سے باہر آنے کے لئے کوشش کرے۔

اور دوسری دعا کہ ہر وقت جناب الٰہی میں نالاں رہے۔ تا وہ گندی زندگی سے اپنے ہاتھ سے اس کو باہر نکالے اور ایک ایسی آگ اس میں پیدا کرے جو بدی کے خس وخاشاک کو بھسم کر دے اور ایک ایسی قوت عنایت کرے جو نفسانی جذبات پر غالب آجاوے اور چاہیئے کہ اسی طرح دعا میں لگا رہے۔ جب تک کہ وہ وقت آجاوے کہ ایک الٰہی نور اس کے دل پر نازل ہو اور ایک ایسا چمکتا ہوا شعاع اس کے نفس پر گرے کہ تمام تاریکیوں کو دور کر دے۔ اور اس کی کمزوریاں دُور فرمائے۔ اور اس میں پاک تبدیلی پیدا کرے۔ کیونکہ دعاؤں میں بلاشبہ تاثیر ہے۔ اگر مُردے زندہ ہو سکتے ہیں تو دعاؤں سے اور اگر اسیر رہائی پا سکتے ہیں تو دعاؤں سے اور اگر گندے پاک ہو سکتے ہیں۔ تو دعاؤں سے مگر دُعا کرنا اور مرنا قریب قریب ہے۔

تیسرا طریق صحبت کاملین اور صالحین ہے کیونکہ ایک چراغ کے ذریعہ سے دوسرا چراغ روشن ہو سکتا ہے[1]

کامل طور پر پاک ہونے کے لئے صرف معرفت ہی کافی نہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ پُر درد دُعاؤں کا سلسلہ جاری رہنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ

---

[1] لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۲۰، ۳۴

خدا تعالیٰ غنی بے نیاز ہے اس کے فیوض کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے ایسی دعاؤں کی سخت ضرورت ہے جو گریہ اور بکا اور صدق وصفا اور دردِ دل سے پُر ہوں۔ تم دیکھتے ہو کہ بچہ شیر خوار اگرچہ اپنی ماں کو خوب شناخت کرتا ہے اور اُس سے محبت بھی رکھتا ہے اور ماں بھی اس سے محبت رکھتی ہے۔ مگر پھر بھی ماں کا دودھ اترنے کے لئے شیر خوار بچوں کا رونا بہت کچھ دخل رکھتا ہے۔ ایک طرف بچہ دردناک طور پر بھوک سے روتا ہے اور دوسری طرف اس کے رونے کا ماں کے دل پر اثر پڑتا ہے اور دودھ اترتا ہے۔ پس اسی طرح خدا تعالیٰ کے سامنے ہر ایک طالب کو اپنی گریہ وزاری سے اپنی روحانی بھوک پیاس کا ثبوت دینا چاہیئے۔ تا وہ روحانی دودھ اترے اور اسے سیراب کرے۔

غرض پاک وصاف ہونے کے لئے صرف معرفت کافی نہیں۔ بلکہ بچوں کی طرح دردناک گریہ وزاری بھی ضروری ہے اور نومید مت ہو۔ اور یہ خیال مت کرو۔ کہ ہمارا نفس گناہوں سے بہت آلودہ ہے۔ ہماری دعائیں کیا چیز ہیں۔ اور کیا اثر رکھتی ہیں۔ کیونکہ انسانی نفس جو دراصل محبت الٰہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ اگرچہ گناہ کی آگ سے مشتعل ہو جائے۔ پھر بھی اس میں ایک ایسی قوت توبہ ہے کہ وہ اس آگ کو بجھا سکتی ہے۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ ایک پانی کو کیسا ہی آگ سے گرم کیا جائے۔ مگر تاہم جب آگ

پر اس کو ڈالا جائے تو وہ آگ کو بجھا دے گا۔[1]

> دُعا وہ اکسیر ہے جو ایک مُشتِ خاک کو کیمیا کر دیتی ہے۔

یہ مت خیال کرو کہ ہم بھی ہر روز دُعا کرتے ہیں اور تمام نماز دُعا ہی ہے جو ہم پڑھتے ہیں۔ کیونکہ وہ دعا جو معرفت کے بعد اور فضل کے ذریعہ سے پیدا ہوتی ہے وہ اور رنگ اور کیفیت رکھتی ہے۔ وہ فنا کرنے والی چیز ہے وہ گداز کرنے والی آگ ہے وہ رحمت کو کھینچنے والی ایک مقناطیسی کشش ہے وہ موت ہے۔ پر آخر کو زندہ کرتی ہے۔ وہ ایک تُند سیل ہے۔ پر آخر کو کشتی بن جاتی ہے۔ ہر ایک بگڑی ہوئی بات اس سے بن جاتی ہے اور ہر ایک زہر آخر اس سے تریاق ہو جاتا ہے۔

مُبارک وہ قیدی جو دعا کرتے ہیں تھکتے نہیں کیونکہ ایک دن رہائی پائیں گے۔ مبارک وہ اندھے جو دعاؤں میں سُست نہیں ہوتے۔ کیونکہ ایک دن دیکھنے لگیں گے۔ مبارک وہ جو قبروں میں پڑے ہوئے دعاؤں کے ساتھ خدا کی مدد چاہتے ہیں۔ کیونکہ ایک دن قبروں سے باہر نکالے جائینگے مبارک تم جب کہ دعا کرنے میں کبھی ماندہ نہیں ہوتے۔ اور تمہاری روح دُعا کے لئے پگھلتی اور تمہاری آنکھ آنسو بہاتی اور تمہارے سینہ میں ایک آگ پیدا کر دیتی ہے اور تمہیں تنہائی کا ذوق اٹھانے کے لئے اندھیری کوٹھڑیوں

[1] براہین احمدیہ پنجم ۲۲۳-۲۲۴

اور سنسان جنگلوں میں لے جاتی ہے اور تمہیں بے تاب اور دیوانہ اور از خود رفتہ بنا دیتی ہے۔ کیونکہ آخر تم پر فضل کیا جاوے گا۔ وہ خدا جس کی طرف ہم بلاتے ہیں نہایت کریم و رحیم حیا والا صادق وفادار عاجزوں پر رحم کرنے والا ہے۔ پس تم بھی وفادار بن جاؤ اور پورے صدق اور وفا سے دعا کرو کہ وہ تم پر رحم فرمائے گا۔ ...... دعا کرنے والوں کو خدا معجزہ دکھائے گا۔ اور مانگنے والوں کو ایک خارق عادت نعمت دی جائے گی۔ دُعا خدا سے آتی ہے اور خدا کی طرف ہی جاتی ہے۔ دُعا سے خدا ایسا نزدیک ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ تمہاری جان تم سے نزدیک ہے۔

دعا کی پہلی نعمت یہ ہے کہ انسان میں پاک تبدیلی پیدا ہوتی ہے پھر اس تبدیلی سے خدا بھی اپنی صفات میں تبدیلی کرتا ہے اور اس کے صفات غیر متبدل ہیں۔ مگر تبدیلی یافتہ کے لئے اس کی ایک الگ تجلی ہے جس کو دنیا نہیں جانتی۔ گویا وہ اور خدا ہے۔ حالانکہ اور کوئی خدا نہیں۔ مگر نئی تجلی نئے رنگ میں اس کو ظاہر کرتی ہے۔ تب اس خاص تجلی کے شان میں اس تبدیل یافتہ کے لئے وہ کام کرتا ہے جو دوسروں کے لئے نہیں کرتا۔ یہی وہ خوارق ہے۔

غرض دعا وہ اکسیر ہے جو ایک مشتِ خاک کو کیمیا کر دیتی ہے اور وہ ایک پانی ہے جو اندرونی غلاظتوں کو دھو دیتا ہے۔ اس دُعا کے ساتھ رُوح

پگھلتی ہے اور پانی کی طرح بہہ کر آستانہ حضرتِ احدیت پر گرتی ہے وہ خدا کے حضور میں کھڑی بھی ہوتی ہے اور رکوع بھی کرتی ہے اور سجدہ بھی کرتی ہے اور اسی کی ظلّ وہ نماز ہے جو اسلام نے سکھلائی ہے۔[1]

کامل کی دُعا میں ایک قوتِ تکوینی پیدا ہو جاتی ہے

ہم فائدہ عام کے لئے کچھ استجابت دعا کی حقیقت ظاہر کرتے ہیں۔ سو واضح ہو کہ استجابت دعا کا مسئلہ درحقیقت دعا کے مسئلہ کی ایک فرع ہے اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس شخص نے اصل کو سمجھا ہوا نہیں ہوتا اس کو فرع کے سمجھنے میں پیچیدگیاں واقع ہوتی ہیں۔ اور دھوکے لگتے ہیں۔ پس یہی سبب سیّد کی غلط فہمی کا ہے اور دُعا کی ماہیت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اس کے رب میں ایک تعلق جاذبہ ہے یعنی پہلے خدا تعالیٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ پھر بندہ کے صدق کی کششوں سے خدا تعالیٰ اس سے نزدیک ہو جاتا ہے اور دعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہنچ کر اپنے خواص عجیبہ پیدا کرتا ہے۔ سو جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف کامل یقین اور کامل امید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں

---

[1] لیکچر سیالکوٹ ص ۲۰-۲۱

کو چیرتا ہوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے۔ پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہ الوہیت ہے۔ اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ تب اس کی رُوح اُس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے اور قوتِ جذب جو اس کے اندر رکھی گئی ہے وہ خدا تعالیٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ تب اللہ جل شانہٗ اس کام کے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور اس دعا کا اثر ان تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں۔ جو اس مطلب کے حاصل ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً اگر بارش کے لئے دعا ہے تو بعد استجابت دعا کے وہ اسباب طبعیہ جو بارش کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ اس دعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور اگر قحط کے لئے بددعا ہے۔ تو قادر مطلق مخالفانہ اسباب کو پیدا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ بات ارباب کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہے کہ کامل کی دعا میں ایک قوت تکوینی پیدا ہو جاتی ہے یعنی باذنہ تعالیٰ وہ دعا عالم سفلی اور علوی میں تصرف کرتی ہے اور عناصر اور اجرام فلکی اور انسانوں کے دلوں کو اس طرف لے آتی ہے جو طرف مؤید مطلوب ہے۔ خدا تعالیٰ کی پاک کتابوں میں اس کی نظیریں کچھ کم نہیں ہیں۔ بلکہ اعجاز کی بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل استجابتِ دُعا ہی ہے اور جس قدر ہزاروں معجزات انبیاء سے ظہور میں

آئے ہیں۔ یا جو کچھ کہ اولیاء ان دنوں تک عجائب کرامات دکھلاتے رہے ان کا اصل اور منبع یہی دعا ہے اور اکثر دعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق قدرت قادر کا تماشا دکھلا رہے ہیں۔

دُعاؤں کی تاثیر آب و آتش کی تاثیر سے بھی بڑھ کر ہے۔

وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گذرا کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور دنیا میں ایکدفعہ ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں ہی تھیں جنہوں نے دنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس اُمّی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔

اللّٰھمّ صلّ وسلّم وبارك علیه واٰله بعدد همه وغمه وحزنه لهذه الامة وانزل علیه انوار رحمتك الی الابد اور میں اپنے ذاتی تجربہ سے بھی دیکھ رہا ہوں کہ دعاؤں کی تاثیر آب و آتش کی تاثیر سے بھی بڑھ کر ہے۔ بلکہ اسباب طبیعہ کے سلسلہ میں کوئی چیز ایسی عظیم التاثیر نہیں

جیسی کہ دُعا ہے۔[1]

مومن کی دُعا ایک کرامت ہے

کرامت کیا چیز ہے؟ مومن کی دعا جو قبول ہو کر ایک نہایت مشکل اور بعید از عقل کام کو پورا کر دیتی ہے اور تمام خلقت کو ایک حیرت میں ڈالتی ہے۔ پھر کیونکر کہا جائے کہ دعا قبول نہیں ہوتی۔ نادان ہے وہ شخص جو ایسا خیال کرتا ہے۔ بیوقوف ہے وہ فلسفی جو ایسا سمجھتا ہے۔[2]

بڑا ہی خوش قسمت وہ شخص ہے جس کو دُعا پر ایمان ہے

دعا کرتے وقت بے دلی اور گھبراہٹ سے کام نہیں لینا چاہیئے اور جلدی ہی تھک کر نہیں بیٹھنا چاہیئے۔ بلکہ اس وقت تک ہٹنا نہیں چاہیئے جب تک دعا اپنا پورا اثر نہ دکھائے۔ جو لوگ تھک جاتے اور گھبرا جاتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ محروم رہ جانے کی نشانی ہے۔ میرے نزدیک دعا بہت عمدہ چیز ہے۔ اور میں اپنے تجربہ سے کہتا ہوں۔ خیالی بات نہیں۔ جو مشکل کسی تدبیر سے حل نہ ہوتی ہو۔ اللہ تعالیٰ دعا کے ذریعہ اُسے آسان کر دیتا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ دعا بڑی زبردست اثر والی چیز ہے۔ بیماری سے شفا اس کے ذریعہ ملتی ہے۔ دنیا کی تنگیاں مشکلات اس سے دور ہوتی ہیں۔ دشمنوں

---

[1] برکات الدعا ص ۹ تا ۱۱ ؛ [2] آئینہ کمالات اسلام ص ۲۲۵

کے منصوبے سے یہ بچا لیتی ہے اور وہ کیا چیز ہے جو دعا سے حاصل نہیں ہوتی سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان کو پاک کرتی ہے اور خدا پر زندہ ایمان بخشتی ہے ...... بڑا ہی خوش قسمت وہ شخص ہے جس کو دعا پر ایمان ہے ۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عجیب در عجیب قدرتوں کو دیکھتا ہے اور خدا تعالیٰ کو دیکھ کر ایمان لاتا ہے کہ وہ قادر کریم خدا ہے [۱]

دُعا مومن کا پانی ہے جس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتا

دعا کی مثال ایک چشمۂ شیریں کی طرح ہے جس پر مومن بیٹھا ہوا ہے ۔ وہ جب چاہے اس چشمہ سے اپنے آپ کو سیراب کر سکتا ہے جس طرح ایک مچھلی بغیر پانی کے زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح مومن کا پانی دُعا ہے کہ جس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتا ۔ اس دعا کا ٹھیک محل نماز ہے ...... بڑی بات جو دعا میں حاصل ہوتی ہے ۔ وہ قربِ الٰہی ہے ۔ دعا کے ذریعہ ہی انسان خدا تعالیٰ کے نزدیک ہو جاتا اور اسے اپنی طرف کھینچتا ہے ۔ جب مومن کی دعا میں پورا اخلاص اور انقطاع پیدا ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ کو بھی اس پر رحم آجاتا ہے ۔ اور خدا تعالیٰ اس کا متولی ہو جاتا ہے ۔ اگر انسان اپنی زندگی پر غور کرے تو الٰہی تولّی کے بغیر انسانی زندگی قطعاً تلخ ہو جاتی ہے ۔ دیکھ لیجئے جب انسان حد بلوغت

---

[۱] م ص ۲۶۵ و ۲۶۶

کو پہنچتا ہے اور اپنے نفع نقصان کو سمجھنے لگتا ہے تو نامرادیوں، ناکامیوں اور قسما قسم کے مصائب کا ایک لمبا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے وہ اُن سے بچنے کے لئے طرح طرح کی کوشش کرتا ہے۔ دولت کے ذریعہ تعلق حکام کے ذریعہ قسما قسم کے حیلہ وفریب کے ذریعہ وہ بچاؤ کی راہ نکالتا ہے لیکن مشکل ہے کہ وہ اس میں کامیاب ہو بعض وقت اس کی تلخ کامیوں کا انجام خودکشی ہو جاتی ہے اب اگر ان دنیا داروں کے غموم وہموم اور تکالیف کا مقابلہ اہل اللہ یا انبیاء کے مصائب کے ساتھ کیا جاوے تو انبیاء علیہم السلام کے مصائب کے مقابل اول الذکر جماعت کے مصائب بالکل ہیچ ہیں۔ لیکن یہ مصائب وشدائد اس پاک گروہ کو رنجیدہ یا محزون نہیں کر سکتے۔ ان کی خوشحالی اور سکون میں فرق نہیں آتا کیونکہ وہ اپنی دعاؤں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی توتیں پھیر رہے ہیں [1]

جو شخص خدا سے دعا نہیں مانگتا وہ خطرہ کی حالت میں ہے

دعا کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی نیک صحبت میں رہنا چاہیئے۔ سب تعصبوں کو چھوڑ کر دنیا سے الگ ہو جاوے۔ جیسے جہاں طاعون پڑی ہوئی ہو اور کوئی شخص وہاں سے الگ نہیں ہوتا ہے تو وہ خطرہ کی حالت میں ہے۔ اسی طرح جو

[1] م صفحہ ۵۹-۶۰

شخص اپنی حالت کو بدل نہیں ڈالتا۔ اور اپنی زمین میں تبدیلی نہیں کرتا اور الگ ہو کر نہیں سوچتا کہ کس طرح پاک زندگی پاؤں اور خدا سے دُعا نہیں مانگتا وہ خطرہ کی حالت میں ہے۔[1]

مومن پر خدا تعالیٰ کے فضلوں میں سے یہ ایک بڑا بھاری فضل ہوتا ہے جو اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں

یاد رکھنا چاہیئے کہ مومن پر خدا تعالیٰ کے فضلوں میں سے یہ ایک بڑا بھاری فضل ہوتا ہے جو اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور اس کی درخواستیں گو کیسے ہی مشکل کاموں کے متعلق ہوں۔ اکثر بہ پایۂ اجابت پہنچتی ہیں۔ اور دراصل ولایت کی حقیقت بھی ہے۔ جو ایسا قرب اور وجاہت حاصل ہو جائے۔ جو بہ نسبت اوروں کے بہت دعائیں قبول ہوں۔ کیونکہ ولی خدا تعالیٰ کا دوست ہوتا ہے اور خالص دوستی کی یہی نشانی ہے کہ اکثر درخواستیں اس کی قبول کی جائیں۔ پس جو شخص کہتا ہے کہ دعا قبول ہونے کے اس سے زیادہ اور کچھ معنی نہیں کہ خدا تعالیٰ تک اس کی آواز پہنچ جاتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ جان لیتا ہے کہ اُس نے دُعا کی ہے ایسا شخص مسخرہ ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی کتاب اور اس کے دین سے محض بیگانہ ہے۔ اگر صرف دعا کا سُن لینا اجابت میں داخل ہے اور اس سے زیادہ کوئی بات نہیں تو پھر

[1] ۵ ۲ صــ ۷۷۴

ہر ایک کہہ سکتا ہے کہ میری دعا رد نہیں ہوئی کیونکہ اگر اجابت سے صرف اطلاع بردعا ہے تو پھر کون شخص ہے جس کی دعا سے خدا تعالیٰ بے خبر رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ جلشانہٗ بباعث اپنی صفت علیم اور خبیر اور سمیع ہونے کے ہر ایک بات کو سنتا ہے اور ایک شخص کی آواز اس تک پہنچ جاتی ہے۔ پھر ایسے سننے میں مومن اور غیر مومن کی دعا میں فرق کیا ہے؟ اور یہ کہنا کہ مومن کو لبیک کہتا ہے اور دوسرے کو نہیں یہ کیونکر ثابت ہو جبکہ اصل محرومی میں مومن اور غیر مومن دونوں مساوی ہیں۔ تو ایک کافر بھی کہہ سکتا ہے کہ میری دعا پر لبیک کہا گیا ہے تو اب اس کا کون فیصلہ کرے کہ نہیں کہا گیا اور ایسی بے معنی لبیک کا فائدہ کیا۔ بلکہ مومن کی دعا ضرور قبول کی جاتی ہے اور اگر قبول کرنا مومن کے حق میں بہتر نہ ہو۔ تو کم سے کم یہ ہوتا ہے کہ مومن کو نرمی اور محبت کی راہ سے بذریعہ محبانہ مکالمہ کے اس پر اطلاع دی جاتی ہے۔

خدا تعالیٰ جو تمام رحمتوں کا سرچشمہ ہے سب سے زیادہ رحمت مومن پر ہی کرتا ہے۔ اور ہر ایک مصیبت کے وقت اُسے سنبھالتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے اور اگر تمام دنیا ایک طرف ہو اور مومن ایک طرف تو فتح مومن ہی کو دیتا ہے۔ اور اس کی عمر اور عافیت کے دن بڑھاتا ہے دشمن کہتا ہے کہ وہ ہلاک ہو جائے اور نابود ہو جائے پر وہ دشمن کو ہی ہلاک کرتا ہے اور اُسکی

بددعائیں اسی کے سر پر مارتا ہے۔ پر مومن کی دعا قبول کر لیتا ہے اور اس کی دعاؤں کو قبول کر کے وہ خوارق دکھلاتا ہے۔ جن سے دنیا حیران ہو جاتی ہے۔"[1]

پُر رقت دعا سے محرومی مومن صادق کا عذاب ہے

ایک معترض نے آتھم کی پیشگوئی کے سلسلہ میں کہا کہ رات کو آتھم کی موت کے لئے دعائیں مانگنا یہ بھی ایک عذاب تھا۔ اس پر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام لکھتے ہیں کہ:۔

"سبحان اللہ کس قدر مسلمان کہلا کر بے ہودہ باتیں آپ کے منہ سے نکل رہی ہیں۔ سچے مسلمان ہمیشہ غلبہ اسلام کے لئے دعائیں مانگتے ہیں۔ اور تہجد بھی پڑھتے ہیں اور نماز میں بھی ان کو رقت طاری ہوتی ہے اور آیت یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا کا مصداق ہوتے ہیں۔ اگر یہی عذاب ہے تو ہماری دعا ہے کہ قیامت میں بھی یہ عذاب ہم سے الگ نہ ہو۔ دعا کرنا ہمیشہ نبیوں کا طریق اور صلحاء کی سنت ہے اور عین عبادت ہے۔ اس کا نام عذاب رکھنا انہیں لوگوں کا کام ہے جو دنیا کے کیڑے ہیں اور روحانی جہان سے بے خبر ہیں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ مومن صادق پر اسی وقت دکھ اور عذاب کی حالت وارد ہوتی ہے جب نماز کی رقت اور پُر رقت دعا اس سے فوت ہو جاتی ہے۔"[2]

---

[1] آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۴۱ تا ۲۴۲ [2] اشتہار انعامی تین ہزار روپیہ

قبولیت دعا کی دو صورتیں

اس جگہ یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ دعا کا قبول ہونا دو طور سے ہوتا ہے۔ ایک بطور ابتلاء اور ایک بطور اصطفاء۔ بطور ابتلاء تو کبھی کبھی گنہگاروں اور نافرمانوں بلکہ کافروں کی دعا بھی قبول ہو جاتی ہے۔ مگر ایسا قبول ہونا حقیقی قبولیت پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ از قبیل استدراج و امتحان ہوتا ہے۔ لیکن جو بطور اصطفاء دعا قبول ہوتی ہے۔ اس میں یہ شرط ہے کہ دعا کرنے والا خدائے تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہو اور چاروں طرف سے برگزیدگی کے انوار و آثار اس میں ظاہر ہوں۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ حقیقی قبولیت کے طور پر نافرمانوں کی دعا ہرگز نہیں سنتا۔ بلکہ انہیں کی سنتا ہے کہ جو اس کی نظر میں راستباز اور اس کے حکم پر چلنے والے ہیں سو ابتلاء اور اصطفاء کی قبولیت ادعیہ میں ما بہ الامتیاز یہ ہے کہ جو ابتلاء کے طور پر دعا قبول ہوتی ہے۔ اس میں متقی اور خدا دوست ہونا شرط نہیں۔ اور نہ اس میں یہ ضرورت ہے کہ خدائے تعالیٰ دعا کو قبول کر کے بذریعہ اپنے مکالمہ خاص کے اس کی قبولیت سے اطلاع بھی دیوے اور نہ وہ دعائیں ایسی اعلیٰ پایہ کی ہوتی ہیں۔ جن کا قبول ہونا ایک امر عجیب اور خارق عادت متصور ہو سکے۔

لیکن جو دعائیں اصطفاء کی وجہ سے قبول ہوتی ہیں۔ ان میں یہ نشان

نمایاں ہوتے ہیں۔

۱۔ اوّل یہ کہ دعا کرنے والا ایک متقی اور راستباز اور کامل فرد ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ بذریعہ مکالمات الٰہیہ اس دعا کی قبولیت سے اس کو اطلاع دی جاتی ہے۔

۳۔ تیسری یہ کہ اکثر وہ دعائیں جو قبول کی جاتی ہیں۔ نہایت اعلیٰ درجہ کی اور پیچیدہ کاموں کے متعلق ہوتی ہیں جن کی قبولیت سے کھل جاتا ہے کہ یہ انسان کا کام ...... اور تدبیر نہیں۔ بلکہ خدائے تعالیٰ کا ایک خاص نمونہ قدرت بھی ہے جو خاص بندوں پر ظاہر ہوتا ہے۔

۴۔ چوتھی یہ کہ ابتلائی دعائیں تو کبھی کبھی شاذ و نادر کے طور پر قبول ہوتی ہیں۔ لیکن اصطفائی دعائیں کثرت سے قبول ہوتی ہیں۔

بسا اوقات صاحب اصطفائی دعا کا ایسی بڑی بڑی مشکلات میں پھنس جاتا ہے کہ اگر اور شخص ان میں مبتلا ہو جاتا تو بجز خودکشی کے اور کوئی حیلہ اپنی جان بچانے کے لئے ہرگز اُسے نظر نہ آتا۔ چنانچہ ایسا ہوتا بھی ہے۔ کہ جب کبھی دنیا پرست لوگ جو خدائے تعالیٰ سے مہجور و دور ہیں۔ بعض بڑی بڑی ہموم و غموم و امراض و اسقام و بلیات لاینحل میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ تو آخر وہ بباعث ضعفِ ایمان خدائے تعالیٰ سے ناامید ہو کر کسی قسم کی زہر کھا لیتے ہیں۔ یا کوئیں میں گرتے ہیں۔ یا بندوق وغیرہ

سے خود کشی کر لیتے ہیں۔ لیکن ایسے نازک وقتوں میں صاحب اصطفاء کا بوجہ اپنی قوتِ ایمانی اور تعلق خاص کے خدائے تعالیٰ کی طرف سے نہایت عجیب در عجیب مدد دیا جاتا ہے اور عنایت الٰہی ایک عجیب طور سے اس کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے یہاں تک ایک محرم راز کا دل بے اختیار بول اٹھتا ہے کہ یہ شخص مؤید الٰہی ہے۔

۵۔ پانچویں یہ کہ صاحب اصطفائی دعا کا مورد عنایات الٰہیہ کا ہونا ہے اور خدائے تعالیٰ اس کے تمام کاموں میں اس کا متولی ہو جاتا ہے۔ اور عشق الٰہی کا نور اور مقبولانہ کبریائی کی مستی اور روحانی لذت یابی اور تنعم کے آثار اس کے چہرہ میں نمایاں ہوتے ہیں [1]

[1] ایک عیسائی کے تین سوالوں کے جوابات۔

قبولیّت دُعا کی شرائط

شرط قبولیت دُعا یہ ہے کہ جس کے حق میں دُعا کی جاتی ہے سخت متعصب اور لاپرواہ اور گندی فطرت کا انسان نہ ہو۔ ورنہ دعا قبول نہیں ہوگی اور جہاں تک مجھے خدا تعالیٰ نے دعاؤں کے بارے میں علم دیا ہے وہ یہ ہے کہ دُعا کے قبول ہونے کے لئے تین شرطیں ہیں۔

اوّل :۔ دعا کرنے والا کامل درجہ پر متقی ہو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا مقبول وہی بندہ ہوتا ہے جس کا شعار تقویٰ ہو اور جس نے تقویٰ کی باریک راہوں کو مضبوط پکڑا ہو اور جو امین اور متقی اور صادق العہد ہونے کی وجہ سے منظور نظر الہٰی ہو۔ اور محبتِ ذاتیہ الہٰیہ سے معمور اور پُر ہو۔

دوسری شرط :۔ یہ ہے کہ اس کی عقد ہمت اور توجہ اس قدر ہو کہ گویا ایک شخص کے زندہ کرنے کے لئے ہلاک ہو جائے اور ایک شخص کو قبر سے باہر نکالنے کے لئے آپ گور میں داخل ہو۔ اس میں راز یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو اپنے مقبول بندے اس سے زیادہ پیارے ہوتے ہیں۔ جیساکہ خوبصورت بچہ جو ایک ہی ہو اس کی ماں کو پیارا ہوتا ہے۔ پس جب خدائے کریم و رحیم دیکھتا ہے کہ ایک مقبول و محبوب اس کا ایک شخص کی جان بچانے کے لئے

روحانی مشغولوں اور تضرعات اور مجاہدات کی وجہ سے اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ قریب ہے کہ اس کی جان نکل جائے تو اس کو علاقہ محبت کی وجہ سے ناگوار گذرتا ہے کہ اس حالت میں اس کو ہلاک کر دے تب اس کے لئے اس دوسرے شخص کا گناہ بخش دیتا ہے جس کے لئے وہ پکڑا گیا تھا۔ پس اگر وہ کسی مہلک بیماری میں گرفتار ہے۔ یا اور کسی بلا میں اسیر و ناچار ہے تو اپنی قدرت سے ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جس سے رہائی ہو جائے۔ اور لیبا اوقات اس کا ارادہ ایک شخص کے قطعی طور پر ہلاک کرنے یا برباد کرنے پر قرار یافتہ ہے لیکن جب ایک مصیبت زدہ کی خوش قسمتی سے ایسا شخص پر پردرد تضرعات کے ساتھ درمیان میں آپڑتا ہے جس کو حضرت عزت میں وجاہت ہے تو وہ مسل مقدمہ جو سزا دینے کے لئے مکمل اور مرتب ہو چکی ہے۔ چاک کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ اب بات اغیار سے یار کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ اور یہ کیونکر ہو سکے کہ خدا اپنے سچے دوستوں کو عذاب دے۔

تیسری شرط:۔ استجابت دعا کے لئے ایک ایسی شرط ہے۔ جو تمام شرطوں سے مشکل تر ہے کیونکہ اس کا پورا کرنا خدا کے مقبول بندوں کے ہاتھ میں نہیں۔ بلکہ اس شخص کے ہاتھ میں ہے جو دعا کرانا چاہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ نہایت صدق اور کامل اعتقاد اور کامل یقین اور کامل ارادت اور کامل غلامی

کے ساتھ دعا کا خواہاں ہو اور یہ دل میں فیصلہ کرے کہ اگر دعا قبول بھی نہ ہو تاہم اس کے اعتقاد اور ارادت میں فرق نہیں آئے گا۔ اور دعا کرانا آزمائش کے طور پر نہ ہو بلکہ سچے اعتقاد کے طور پر ہو اور نہایت نیازمندی سے اس کے دروازے پر گرے اور جہاں تک اس کے لئے ممکن ہے مال سے خدمت سے ہر ایک طور کی اطاعت سے ایسا قرب پیدا کرے کہ اس کے دل کے اندر داخل ہو جائے اور با ایں ہمہ نہایت درجہ پر نیک ظن ہو اور اس کو نہایت درجہ کا متقی سمجھے۔ اور اس کی مقدس شان کے برخلاف ایک خیال بھی دل میں لانا کفر خیال کرے اور اس قسم کی طرح طرح کی جانثاری دکھلا کر سچے اعتقاد کو اُس پر ثابت اور روشن کر دے اور اس کی مثل دنیا میں کسی کو بھی نہ سمجھے اور جان سے مال سے آبرو سے اس پر فدا ہو جائے اور کوئی کلمہ کسر شان کا کسی پہلو سے اس کی نسبت زبان پر نہ لائے اور نہ دل میں۔ اور اس بات کو اس کی نظر میں بپایۂ ثبوت پہنچا دے کہ درحقیقت وہ ایسا ہی معتقد اور مرید ہے اور با ایں ہمہ صبر سے انتظار کرے اور اگر سچا یا دفعہ بھی اپنے کام میں نامراد رہے پھر بھی اعتقاد اور یقین میں سست نہ ہو کیونکہ یہ قوم سخت نازک دل ہوتی ہے اور ان کی فراست چہرہ کو دیکھ کر پہچان سکتی ہے کہ یہ شخص کس درجہ کا اخلاص رکھتا ہے اور یہ قوم باوجود نرم دل ہونے کے نہایت بے نیاز ہوتی ہے ان کے دل خدا نے

ایسے بے نیاز پیدا کئے ہیں کہ متکبر اور خود غرض اور منافق طبع انسان کی کچھ پروا نہیں کرتے اس قوم سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جو اس قدر غلامانہ اطاعت ان کی اختیار کرتے ہیں کہ گویا مر ہی جاتے ہیں مگر وہ شخص جو قدم قدم پر بدظنی کرتا ہے اور دل میں کوئی اعتراض رکھتا ہے اور پوری محبت اور ارادت نہیں رکھتا وہ بجائے فائدہ کے ہلاک ہو جاتا ہے[1]''

''قبولیتِ دعا کے لئے ضروری ہے کہ نافرمانی سے باز رہے اور دعا بڑے زور سے کرے۔ کیونکہ پتھر پر پتھر زور سے پڑتا ہے تب آگ پیدا ہوتی ہے[2]''

دعائیں کرتے رہو بجز اس کے انسان مگر اللہ سے بچ نہیں سکتا۔ مگر دعاؤں کی قبولیت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ انسان اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کرے۔ اگر بدیوں سے نہیں بچ سکتا اور خدا تعالیٰ کی حدود کو توڑتا ہے تو دعاؤں میں کوئی اثر نہیں رہتا[3]''

دیکھو جس طرح سے ایک حکیم کی دوائی بجز پرہیز کرنے کے مؤثر نہیں ہوتی۔ اسی طرح سے دعا کی قبولیت کا بھی یہی راز ہے۔ دعا کچھ بھی اثر نہیں کر سکتی جب تک انسان پورا اور کامل پرہیزگار نہ ہو[4]''

اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ۔ گویا اللہ تعالیٰ متقیوں کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے یہ گویا اس کا وعدہ ہے اور اس کے وعدوں

۱؎ براہین احمدیہ پنجم ص ۲۲۷ ؛ ۲؎ م ص ۷ ؛ ۳؎ م ص ۲۷ ؛ ۴؎ م۱۰ ص ۲۰۸

میں تخلف نہیں ہوتا۔ جیسا کہ فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَاد
پس جس حال میں تقویٰ کی شرط قبولیت دعا کے لئے ایک غیر منفک
شرط ہے تو ایک انسان غافل اور بے راہ ہو کر اگر قبولیتِ دعا چاہے
تو کیا وہ احمق اور نادان نہیں ہے۔ لہٰذا ہماری جماعت کو لازم ہے
کہ جہاں تک ممکن ہو ہر ایک اُن میں سے تقویٰ کی راہوں پر قدم مارے
تا کہ قبولیتِ دعا کا سرور اور حظ حاصل کرے اور زیادتی ایمان کا حصہ لے[1]
"یہ بھی یاد رہے کہ دعا کرنے میں صرف تضرع کافی نہیں ہے۔ بلکہ
تقویٰ اور طہارت اور راست گوئی اور کامل یقین اور کامل محبت
اور کامل توجہ اور یہ کہ جو شخص اپنے لئے دعا کرتا ہے یا جس کے لئے
دعا کی گئی ہے۔ اس کی دنیا اور آخرت کے لئے اس بات کا حاصل ہونا
خلاف مصلحت الٰہی بھی نہ ہو کیونکہ بسا اوقات دعا میں اور شرائط تو
سب جمع ہوتے ہیں مگر جس چیز کو مانگا گیا ہے وہ عند اللہ سائل کے
لئے خلاف مصلحت الٰہی ہوتی ہے۔ اور اس کے پورا کرنے میں خیر نہیں
ہوتی۔ مثلاً اگر کسی ماں کا پیارا بچہ بہت الحاح اور رونے سے یہ چاہے
کہ وہ آگ کا ٹکڑا یا سانپ کا بچہ اس کے ہاتھ میں پکڑا دے یا ایک زہر
جو بظاہر خوبصورت معلوم ہوتی ہے اس کو کھلا دے تو یہ سوال اس بچہ کا

[1] ص ۱۰۹

ہرگز اس کی ماں پورا نہ کرے گی۔ اور اگر پورا کر دیوے اور اتفاقاً بچّہ کی جان بچ جاوے۔ لیکن کوئی عضو اس کا بے کار ہو جاوے تو بلوغ کے بعد وہ بچہ اپنی احمق والدہ کا سخت شاکی ہوگا۔ اور بجز اس کے اور بھی کئی شرائط ہیں جب تک وہ تمام جمع نہ ہوں۔ اس وقت تک دُعا کو دعا نہیں کہہ سکتے اور جب تک کسی دعا میں پوری روحانیت داخل نہ ہو اور جس کیلئے دعا کی گئی ہے اور جو دُعا کرتا ہے اُن میں استعداد قریبہ پیدا نہ ہو۔ تب تک توقع اثر دعا امید موہوم ہے۔ اور جب تک ارادہ الٰہی قبولیت دعا کے متعلق نہیں ہوتا۔ تب تک یہ تمام شرائط جمع نہیں ہوتیں اور ہمتیں پوری توجہ سے قاصر رہتی ہیں۔[1]

بعض لوگوں کا یہ خیال کہ اللہ تعالیٰ کے حضور رونے دھونے سے کچھ نہیں ملتا بالکل غلط اور باطل ہے۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کے صفات قدرت و تصرف پر ایمان نہیں رکھتے اگر ان میں حقیقی ایمان ہوتا۔ تو وہ ایسا کہنے کی جرأت نہ کرتے جب کبھی کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے حضور آیا ہے اور اس نے سچی توبہ کے ساتھ رجوع کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اس پر اپنا فضل کیا ہے .... خدا تعالیٰ تو چاہتا ہے کہ تم اس کے حضور پاک دل لے کر آجاؤ۔ صرف شرط اتنی ہے کہ اس کے

---

[1] برکات الدعا صفحہ ۱۳ و ۱۴

مناسب حال اپنے آپ کو بناؤ اور وہ سچی تبدیلی جو خدا تعالیٰ کے حضور جانے کے قابل بنا دیتی ہے اپنے اندر کر کے دکھاؤ۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ میں عجیب در عجیب قدرتیں ہیں اور اس میں لا انتہا فضل و برکات ہیں۔ مگر ان کے دیکھنے اور پانے کے لئے محبت کی آنکھ پیدا کرو اگر سچی محبت ہو تو خدا تعالیٰ بہت دعائیں سنتا ہے۔ اور تائید کرتا ہے[1]

دُعا کا وقت نزولِ بلا سے پہلے ہوتا ہے	حدیث شریف میں آیا ہے کہ مصیبت کے وارد ہونے

سے پہلے جو دُعا کی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔ کیونکہ خوف و خطر میں مبتلا ہونے کے وقت تو ہر شخص دعا اور رجوع الی اللہ کر سکتا ہے سعادت مندی یہی ہے کہ امن کے وقت دعا کی جائے[2]

"انسان کو چاہیئے کہ کسی مشکل پڑنے کے بغیر بھی دعا کرتا رہے۔ کیونکہ اُسے کیا معلوم کہ خدا تعالیٰ کے کیا ارادے ہیں۔ اور کل کیا ہونے والا ہے۔ پس پہلے سے دعا کرو تا بچائے جاؤ۔ بعض وقت بلا اس طور پر آتی ہے کہ انسان دعا کی مہلت ہی نہیں پاتا پس اگر دعا کر رکھی ہو تو اس آڑے وقت میں کام آتی ہے[3]

---

[1] م ص $\frac{354}{353}$ ؛ [2] م ص ۲۶۲ ؛ [3] م ص $\frac{122}{123}$

اللہ کا رحم ہے اس شخص پر جو امن کی حالت میں اسی طرح ڈرتا ہے جس طرح کسی مصیبت کے وارد ہونے پر ڈرتا ہے۔ جو امن کے وقت خدا تعالےٰ کو نہیں بھلاتا۔ خدا تعالیٰ اُسے مصیبت کے وقت نہیں بھلاتا۔ اور جو امن کے زمانہ کو عیش میں بسر کرتا ہے۔ اور مصیبت کے وقت دعائیں کرنے لگتا ہے تو اس کی دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں۔ جب عذاب الٰہی کا نزول ہوتا ہے تو توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے پس کیا ہی سعید وہ ہے۔ جو عذاب الٰہی کے نزول سے پیشتر دُعا میں مصروف رہتا ہے۔ صدقات دیتا ہے۔ اور امر الٰہی کی تعظیم اور خلق اللہ پر شفقت کرتا ہے۔ اپنے اعمال کو سنوار کر بجا لاتا ہے یہی سعادت کے نشان ہیں۔" [۱]

"آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ سعید الفطرت ہوتے ہیں جو پہلے ہی مان لیتے ہیں۔ یہ لوگ بڑے ہی دور اندیش اور باریک بین ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے۔ اور ایک بیوقوف ہوتے ہیں۔ جب سر پہ آ پڑتی ہے تب کچھ چونکتے ہیں اس لئے تم اس سے پہلے کہ خدا کا غضب آ جاوے دعا کرو۔ اور اپنے آپ کو خدا کی پناہ اور حفاظت میں دے دو۔ دعا اُس وقت قبول ہوتی ہے جب دل میں درد اور رقت پیدا ہو اور مصائب اور غضب الٰہی دور ہو۔ لیکن جب بلا سر پر آتی ہے

[۱] ملفوظات جلد ۳ صفحہ ۲۲۹

بے شک اُس وقت بھی ایک درد پیدا ہوتا ہے۔ مگر وہ درد قبولیت دُعا کا جذب اپنے اندر نہیں رکھتا۔

" جب اللہ تعالیٰ نے مہلت دی ہے اس وقت اسے راضی کرنا چاہیئے۔ لیکن جب اپنی سیہ کاریوں اور گناہوں سے اُسے ناراض کر لیا۔ اور اس کا غضب اور غصہ بھڑک اٹھا اس وقت عذاب الٰہی کو دیکھ کر توبہ استغفار شروع کی ،اس سے کیا فائدہ ہوگا جب سزا کا فتویٰ لگ چکا۔"

" غرض نیکی وہی ہے جو قبل از وقت ہے اگر بعد میں کچھ کرے تو کچھ فائدہ نہیں۔ خدا اُنکی قبول نہیں کرتا جو صرف فطرت کے جوش سے ہو۔ کشتی ڈوبتی ہے۔ تو سب روتے ہیں مگر وہ رونا اور چلانا چونکہ تقاضا فطرت کا نتیجہ ہے۔ اس لئے اُس وقت سود مند نہیں ہو سکتا اور وہ اس وقت مفید ہے جو اس سے پہلے ہوتا ہے جب کہ امن کی حالت ہو۔ یقیناً سمجھو کہ خدا کو پانے کا یہی گُر ہے جو قبل از وقت چوکنا اور بیدار ہوتا ہے ایسا بیدار کہ گویا اسی پر بجلی گرنے والی ہے اُس پر ہرگز نہیں گرتی۔ لیکن جو بجلی کو گرتے دیکھ کر چلاتا ہے اُس پر گرے گی اور ہلاک کرے گی وہ بجلی سے ڈرتا ہے نہ خدا سے "[1]

---

[1] ماخوذ از م م ۳ صفحہ ۱۶۷ تا ۲۶۶

رعایتِ اسباب دعا کا ایک شعبہ ہے
تلاشِ اسباب بھی بذریعہ دُعا کرو۔

سنو! وہ دُعا جس کے لئے ادعونی استجب لکم فرمایا ہے اس کے لئے یہی سچی روح مطلوب ہے اگر اس تضرع اور خشوع میں حقیقت کی روح نہیں۔ تو وہ ٹیں ٹیں سے کم نہیں ہے پھر کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسباب کی رعایت ضروری نہیں ہے یہ ایک غلط فہمی ہے۔ شریعت نے اسباب کو منع نہیں کیا اور سچ پوچھو تو کیا دُعا اسباب نہیں؟ یا اسباب دعا نہیں؟ تلاش اسباب بجائے خود ایک دُعا ہے اور دعا بجائے عظیم الشان اسباب کا چشمہ ہے۔ انسان کی ظاہری بناوٹ اس کے دو ہاتھ دو پاؤں کی ساخت ایک دوسرے کی امداد کا ایک قدرتی راہنما ہے۔ جب یہ نظارہ خود انسان میں موجود ہے۔ پھر کس قدر حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ وہ تعاونوا علی البرّ والتقویٰ کے معنے سمجھنے میں مشکلات کو دیکھے۔

ہاں میں کہتا ہوں کہ تلاش اسباب بھی بذریعہ دعا کرو۔ امداد باہمی میں نہیں سمجھتا کہ جب میں تمہیں تمہارے جسم کے اندر اللہ تعالیٰ کا ایک قائم کردہ سلسلہ اور کامل راہنما سلسلہ دکھاتا ہوں۔ تم اس سے انکار کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اسباب کو اور بھی صاف کرنے اور وضاحت سے دنیا پر کھول دینے کے لئے انبیاء علیہم السلام کا ایک سلسلہ دنیا میں قائم کیا

اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر تھا اور قادر ہے کہ اگر وہ چاہے تو کسی قسم کی امداد کی ضرورت ان رسولوں کو باقی نہ رہنے دے مگر پھر بھی ایک وقت اُن پر آتا ہے کہ مَن انصاری الی اللہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کیا وہ ایک ٹکڑ گدا فقیر کی طرح صداد یتے ہیں؟ نہیں مَن انصاری الی اللہ کہنے کی بھی ایک شان ہوتی ہے وہ دنیا کو رعایت اسباب سکھانا چاہتے ہیں جو دعا کا ایک شعبہ ہے"۔ ؎۱

جو شخص دُعا کو نہیں چھوڑتا وہ ایک مضبوط قلعے میں ہے	دعا ایک زبردست طاقت ہے جس سے بڑے بڑے مشکل مقام حل ہو جاتے ہیں۔

اور دُشوار گذار منزلوں کو انسان بڑی آسانی سے طے کر لیتا ہے۔ کیونکہ دعا اس فیض اور قوت کے جذب کرنے والی نالی ہے جو اللہ تعالیٰ سے آتا ہے۔ جو شخص کثرت سے دعاؤں میں لگا رہتا ہے وہ آخر اس فیض کو کھینچ لیتا ہے اور خدا تعالیٰ سے تائید یافتہ ہو کر اپنے مقاصد کو پالیتا ہے۔ ہاں نری دُعا خدا تعالیٰ کا منشا نہیں ہے بلکہ اول تمام مساعی اور مجاہدات کو کام میں لائے اور اس کے ساتھ دعا سے کام لے۔ اسباب سے کام لے۔ اسباب سے کام نہ لینا اور نری دُعا سے کام لینا یہ آداب الدعا سے ناواقفی ہے اور خدا تعالیٰ کو آزمانا ہے اور

؎۱ ملفوظات ۱۶۸

نرے اسباب پر گر رہنا اور دعا کو لاشئ محض سمجھنا یہ دہریت ہے۔ یقیناً سمجھو کہ دعا بڑی دولت ہے جو شخص دعا کو نہیں چھوڑتا۔ اس کے دین اور دنیا پر آفت نہ آئے گی وہ ایک ایسے قلعے میں محفوظ ہے۔ جس کے ارد گرد مسلح سپاہی ہر وقت حفاظت کرتے ہیں۔ لیکن جو دعاؤں سے لاپروا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو خود بے ہتھیار ہے اور اس پر کمزور بھی ہے اور پھر ایسے جنگل میں ہے جو درندوں اور موذی جانوروں سے بھرا ہوا ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ اس کی خیر ہرگز نہیں ہے ایک لمحہ میں وہ موذی جانوروں کا شکار ہو جائے گا اور اس کی ہڈی بوٹی نظر نہ آئے گی۔ اس لئے یاد رکھو کہ انسان کی بڑی سعادت اور اس کی حفاظت کا اصل ذریعہ ہی یہی دعا ہے۔ یہی دعا اس کے لئے پناہ ہے۔ اگر وہ ہر وقت اس میں لگا رہے۔[۱]

طبیب کو دعا کرنیکا فائدہ

طبیب کے واسطے بھی مناسب ہے کہ اپنے بیمار کے واسطے دعا کیا کرے۔ کیونکہ ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس کو حرام نہیں کیا کہ تم حیلہ کرو۔ اس واسطے علاج کرنا اور اپنے ضروری کاموں میں تدابیر کرنا ضروری ہے۔ لیکن یاد رکھو کہ مؤثر حقیقی خدا تعالیٰ ہی ہے اسی

[۱] م ص ۱۹۲-۱۹۳

کے فضل سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ بیماری کے وقت چاہیئے کہ انسان دوا بھی کرے اور دعا بھی کرے بعض وقت اللہ تعالیٰ مناسب حال دوائی بھی بذریعہ الہام یا خواب بتلا دیتا ہے اور اسی طرح دعا کرنے والا طبیب علم طب پر ایک بڑا احسان کرتا ہے۔ کئی دفعہ اللہ تعالیٰ ہم کو بعض بیماریوں کے متعلق بذریعہ الہام کے علاج بتا دیتا ہے۔ یہ اس کا فضل ہے۔ [1]

ہم یقیناً جانتے ہیں کہ کسی مرض کے متعلق ڈاکٹروں اور طبیبوں کے ہاتھ میں کوئی ایسی دوا نہیں جس پر دعویٰ کر سکیں کہ وہ قضا و قدر کے ساتھ پوری لڑائی کرکے تمام قسم کی طبائع کو ضرور کسی مرض سے حکماً نجات دے دے گی بلکہ ہمارا یقین ہے کہ اب تک طبیبوں کو ایسی دوا میسر نہیں آئی اور نہ آسکتی ہے جو حکماً ہر ایک طبیب اور عمر اور ہر ایک ملک کے آدمی کو مفید پڑے اور ہرگز خطا نہ جائے۔ لہٰذا باوجود تدبیر کے بہرحال دعا کا خانہ خالی ہے'' [2]

قانون قدرت ہی بتلا رہا ہے کہ علم طب ظنی ہے اور تمام تدابیر اور معالجات بھی ظنی تو اس صورت میں کس قدر بدنصیبی ہے کہ ایسے ظنیات پر بھروسہ کرکے مبدء فیض اور رحمت سے بذریعہ دعا طالب

۱؎ م ص ۵۳ ؛ ۲؎ ایام الصلح ص ۵

فضل نہ کیا جائے۔ دعا سے ہم کیا چاہتے ہیں؟ یہی تو چاہتے ہیں کہ وہ عالم الغیب جس کو اصل حقیقت مرض کی بھی معلوم ہے۔ اور دوا بھی معلوم ہے وہ ہماری دستگیری فرمادے اور چاہے تو وہ دوائیں ہمارے لئے میسّر کرے جو نافع ہوں اور یا اپنے فضل اور کرم سے وہ دن ہی ہم کو نہ دکھلاوے کہ ہمیں دواؤں اور طبیبوں کی حاجت پڑے[1]

اگر یہ شبہ ہو کہ بعض دعائیں خطا جاتی ہیں اور اُن کا کچھ اثر معلوم نہیں ہوتا۔ تو میں کہتا ہوں کہ یہی حال دواؤں کا بھی ہے۔ کیا دواؤں نے موت کا دروازہ بند کر دیا ہے یا ان کا خطا جانا غیر ممکن ہے۔ مگر کیا باوجود اس بات کے کوئی ان کی تاثیر سے انکار کر سکتا ہے؟[2]

ہر ایک عطاءِ الٰہی کو اپنے محل پر صرف کرنا تدبیر ہے

یاد رکھو کہ کوئی پاک نہیں ہو سکتا جب تک خدا اُسے پاک نہ کرے جب تک اتنی دعا نہ کرے کہ مرجاوے۔ تب تک سچا تقویٰ حاصل نہیں ہوتا اس کے لئے دعا سے فضل طلب کرنا چاہیئے۔ اب سوال ہو سکتا ہے کہ کیسے طلب کرنا چاہیئے تو اس کے لئے تدبیر سے کام لینا ضروری ہے۔ جیسے ایک کھڑکی سے اگر بدبو آتی ہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ یا اس کھڑکی کو بند کرے یا بدبودار شئے کو اٹھا کر دور پھینک دے

---

[1] ایام الصلح صفحہ ۶ :: [2] برکات الدعا صفحہ ۱۱

پس اگر کوئی تقویٰ چاہتا ہے تو اس کے لئے تدبیر سے کام نہیں لیتا تو وہ بھی گستاخ ہے کہ خدا کے عطا کردہ قویٰ کو بے کار چھوڑتا ہے۔ ہر ایک عطاء الٰہی کو اپنے محل پر صرف کرنا اس کا نام تدبیر ہے۔ جو ہر ایک مسلمان کا فرض ہے۔ ہاں جو نری تدبیر پر بھروسہ کرتا ہے وہ بھی مشرک ہے۔ اور اسی بلا میں مبتلا ہے جس میں یورپ ہے۔ تدبیر اور دعا دونوں کا پورا حق ادا کرنا چاہیئے تدبیر کر کے سوچے اور غور کرے کہ میں کیا شئے ہوں۔

فضل ہمیشہ خدا کی طرف سے آتا ہے۔ ہزار تدبیر کرو ہرگز کام نہ آویگی جب تک آنسو نہ بہیں۔ سانپ کے زہر کی طرح انسان میں زہر ہے اس کا تریاق دعا ہے جس کے ذریعہ سے آسمان سے چشمہ جاری ہوتا ہے جو دعا سے غافل ہے وہ مارا گیا ایک دن اور رات جس کی دعا سے خالی ہے وہ شیطان سے قریب ہوا۔ ہر روز دیکھنا چاہیئے کہ جو حق دعاؤں کا تھا وہ ادا کیا ہے کہ نہیں [۱]

عارفوں اور محجوبوں کی دعا میں فرق

جب ہم فکر کے ذریعہ سے یا کسی اور طریق جستجو کے ذریعہ سے کسی تدبیر اور علاج کو طلب کرتے ہیں یا اگر ہم طلب کرنے میں احسن طریق کا ملکہ نہ رکھتے ہوں یا اگر اس میں کامل نہ ہوں تو مثلاً اس غور و فکر کے لئے کسی

۱؎ حکم ص ۲۶۹/۲۷۰

ڈاکٹر کو منتخب کرتے ہیں اور وہ ہمارے لئے اپنی فکر اور غور کے وسیلہ سے کوئی احسن طریق ہماری شفا کا سوچتا ہے۔ تب اس کو قانون قدرت کی حد کے اندر کوئی طریق سوجھ جاتا ہے۔ جو کسی درجہ تک ہمارے لئے مفید ہوتا ہے۔ سو وہ طریق جو ذہن میں آتا ہے وہ درحقیقت اس خوض اور غور و فکر اور توجہ کا نتیجہ ہوتا ہے جس کو ہم دوسرے لفظوں میں دُعا کہہ سکتے ہیں کیونکہ فکر اور غور کے وقت جب کہ ہم ایک مخفی امر کی تلاش میں نہایت عمیق دریا میں اتر کر ہاتھ پیر مارتے ہیں تو ہم ایسی حالت میں بہ زبانِ حال اس اعلیٰ طاقت سے فیض طلب کرتے ہیں جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ غرض جب کہ ہماری روح ایک چیز کے طلب کرنے میں بڑی سرگرمی اور سوز و گداز کے ساتھ مبدءِ فیض کی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے اور اپنے تئیں عاجز پا کر فکر کے ذریعے کسی اور جگہ سے روشنی ڈھونڈتی ہے تو درحقیقت ہماری وہ حالت بھی دعا کی ایک حالت ہوتی ہے۔ اسی دُعا کے ذریعہ سے دنیا کی کل حکمتیں ظاہر ہوئی ہیں اور ہر ایک بیت العلم کی کنجی دعا ہے اور کوئی علم اور معرفت کا دقیقہ نہیں جو بغیر اس کے ظہور میں آیا ہو۔ ہمارا سوچنا۔ ہمارا فکر کرنا اور ہمارا طلب امر مخفی کے لئے خیال کو دوڑانا یہ سب امور دُعا ہی میں داخل ہیں۔

فرق صرف یہ ہے کہ عارفوں کی دعا آداب معرفت کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے اور ان کی روح مبدء فیض کو شناخت کر کے بصیرت کے ساتھ اس کی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے اور محجوبوں کی دعا صرف ایک سرگردانی ہے جو فکر اور غور اور طلب اسباب کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہے وہ لوگ جن کو خدا تعالیٰ سے ربط معرفت نہیں اور نہ اس پر یقین ہے وہ بھی فکر اور غور کے وسیلہ سے یہی چاہتے ہیں کہ غیب سے کوئی کامیابی کی بات ان کے دل میں پڑ جائے۔ اور ایک عارف دعا کرنے والا بھی اپنے خدا سے یہی چاہتا ہے کہ کامیابی کی راہ اس پر کھلے۔ لیکن محجوب جو خدا تعالیٰ سے ربط نہیں رکھتا۔ وہ مبدء فیض کو نہیں جانتا اور عارف کی طرح اس کی طبیعت بھی سرگردانی کے وقت ایک اور جگہ سے مدد چاہتی ہے اور اسی مدد کے پانے کے لئے وہ فکر کرتا ہے۔ مگر عارف اس مبدء کو دیکھتا ہے اور یہ تاریکی میں چلتا ہے۔ اور نہیں جانتا کہ جو کچھ فکر اور خوض کے بعد دل میں پڑتا ہے۔ وہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ متفکر کے فکر کو بطور دعا قرار دے کر بطور قبول دعا اس علم کو فکر کرنے والے کے دل میں ڈالتا ہے۔ غرض جو حکمت اور معرفت کا نکتہ فکر کے ذریعہ سے دل میں پڑتا ہے وہ بھی خدا سے ہی آتا ہے اور فکر کرنے والا اگرچہ نہ سمجھے مگر خدا تعالیٰ

جانتا ہے کہ وہ مجھ سے ہی مانگ رہا ہے۔ سو آخر وہ خدا سے اس مطلب کو پاتا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے۔ یہ طریق طلب روشنی اگر علی وجہ البصیرت اور ہادیٔ حقیقی کی شناخت کے ساتھ ہو تو یہ عارفانہ دعا ہے اور اگر صرف فکر اور خوض کے ذریعہ سے یہ روشنی لا معلوم مبدء سے طلب کی جائے اور منورِ حقیقی کی ذات پر کامل نظر نہ ہو تو وہ محجوبانہ دُعا ہے۔"[1]

"جس طرح خدا تعالیٰ کی کتابوں میں نیک انسان اور بد انسان میں فرق کیا گیا ہے اور ان کے جدا جدا مقام ٹھہرائے ہیں۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کے قانونِ قدرت میں ان دو انسانوں میں بھی فرق ہے۔ جن میں سے ایک خدا تعالیٰ کو چشمۂ فیض سمجھ کر بذریعہ حالی اور قالی دعاؤں کے اس سے قوت اور امداد مانگتا اور دوسرا صرف اپنی تدبیر اور قوت پر بھروسہ کر کے دُعا کو قابلِ مضحکہ سمجھتا ہے۔ بلکہ خدا تعالیٰ سے بے نیاز اور متکبرانہ حالت میں رہتا ہے جو شخص مشکل اور مصیبت کے وقت خدا سے دعا کرتا اور اس سے حلِّ مشکلات چاہتا ہے وہ بشرطیکہ دعا کو کمال تک پہنچا دے۔ خدا تعالیٰ سے اطمینان اور حقیقی خوشحالی پاتا ہے۔ اور اگر بالفرض وہ مطلب اس کو نہ ملے تب بھی کسی اور قسم کی تسلی اور

---

[1] ایام الصلح صفحہ ۳ تا ۵

سکینت خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کو عنایت ہوتی ہے اور وہ ہرگز ہرگز نامراد نہیں رہتا۔ اور علاوہ کامیابی کے ایمانی قوت اس کی ترقی پکڑتی ہے اور یقین بڑھتا ہے۔ لیکن جو شخص دعا کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف منہ نہیں کرتا وہ ہمیشہ اندھا رہتا اور اندھا مرتا ہے"[1]

"صرف تدبیروں پر زور مارنے والا اور دعا سے غافل رہنے والا یہ خیال نہیں کر سکتا کہ یقیناً وحقاً خدا تعالیٰ کے ہاتھ نے اس کے مقاصد کو اس کے دامن میں ڈالا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص دعا کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ سے الہام پا کر کسی کامیابی کی بشارت دیا جاتا ہے۔ وہ اس کام کے ہو جانے پر خدا تعالیٰ کی شناخت اور معرفت اور محبت میں آگے قدم بڑھاتا ہے اور اس قبولیتِ دعا کو اپنے حق میں ایک عظیم الشان نشان دیکھتا ہے اور اسی طرح وقتاً فوقتاً یقینوں سے پُر ہو کر جذباتِ نفسانی اور ہر ایک قسم کے گناہ سے ایسا مجتنب ہو جاتا ہے کہ گویا صرف ایک روح رہ جاتا ہے۔

لیکن جو شخص دعا کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی رحمت آمیز نشانوں کو نہیں دیکھتا وہ باوجود تمام عمر کی کامیابیوں اور بیشمار دولت اور مال اور اسبابِ تنعم کے دولت حق الیقین سے بے بہرہ ہوتا ہے

---

[1] ایام الصلح ص۸

اور وہ کامیابیاں اس کے دل پر کوئی نیک اثر نہیں ڈالتیں - بلکہ جیسے جیسے دولت اور اقبال پاتا ہے - غرور اور تکبر میں بڑھتا جاتا ہے - خدا تعالیٰ پر اگر اسکو کچھ ایمان بھی ہو تو ایسا مردہ ایمان ہوتا ہے جو اس کو نفسانی جذبات سے روک نہیں سکتا اور حقیقی پاکیزگی بخش نہیں سکتا۔"

سوال :- دعا خوشحالی اور کامیابی کا کوئی حقیقی ذریعہ نہیں - کیونکہ بہیترے ایسے آدمی نظر آتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ وہ اپنے حال اور قال سے دعا میں فنا ہوتے ہیں پھر بھی اپنے مقاصد میں نامراد رہتے ہیں۔ اور نامراد مرتے ہیں اور بمقابل ان کے ایک اور شخص ہوتا ہے کہ نہ دعا کا قائل نہ خدا کا قائل وہ ان پر فتح پاتا ہے اور بڑی بڑی کامیابیاں اس کو حاصل ہوتی ہیں۔

جواب :- اصلی مطلب دعا سے اطمینان اور تسلی اور حقیقی خوشحالی کا پانا ہے اور یہ ہرگز صحیح نہیں کہ ہماری حقیقی خوشحال صرف اسی امر میں میسّر ہو سکتی ہے جس کو ہم بذریعہ دعا چاہتے ہیں بلکہ وہ خدا جو جانتا ہے کہ ہماری حقیقی خوشحالی کس امر میں ہے وہ کامل دعا کے بعد ہمیں عنایت کر دیتا ہے جو شخص روح کی سچائی سے دعا کرتا ہے وہ ممکن نہیں کہ حقیقی طور پر نامراد رہ سکے بلکہ وہ خوشحالی جو نہ صرف دولت سے مل سکتی ہے۔ اور نہ حکومت سے اور نہ صحت سے بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے جس

پیرایہ میں چاہے وہ عنایت کر سکتا ہے۔ ہاں وہ کامل دعاؤں سے
عنایت کی جاتی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ چاہتا ہے تو ایک مخلص صادق کو
عین مصیبت کے وقت میں دعا کے بعد وہ لذّت حاصل ہو جاتی ہے۔ جو
ایک شہنشاہ کو تختِ شاہی پر حاصل نہیں ہو سکتی۔ سو اسی کا نام حقیقی مرادیابی
ہے جو آخر دعا کرنے والوں کو ملتی ہے اور ان کی آفات کا خاتمہ بڑی خوشحالی
کے ساتھ ہوتا ہے لیکن اگر اطمینان اور سچی خوشحالی حاصل نہیں ہوئی۔
تو ہماری کامیابی بھی ہمارے لئے ایک دکھ ہے۔ سو یہ اطمینان اور
روح کی سچی خوشحالی تدبیر سے ہرگز نہیں ملتی۔ بلکہ محض دعا سے ملتی ہے
مگر جو لوگ خاتمہ پر نظر نہیں رکھتے وہ ایک ظاہر مرادیابی یا نامرادی کو دیکھ
کر مدارِ فیصلہ اسی کو ٹھہرا دیتے ہیں اور اصل بات یہ ہے کہ خاتمہ بالخیر اُن
ہی کا ہوتا ہے جو خدا سے ڈرتے اور دعا میں مشغول رہتے ہیں۔[1]

"دعا پر حضرت احدیت کی توجہ جوش مارتی ہے اور سکینت اور
اطمینان اور حقیقی خوشحالی ملتی ہے۔ اگر ہم ایک مقصد کی طلب میں غلطی پر
نہ ہوں تو وہی مقصد مل جاتا ہے اور اگر ہم اس خطاکار بچہ کی طرح جو اپنی
ماں سے سانپ یا آگ کا ٹکڑا مانگتا ہے اپنی دعا اور سوال میں غلطی پر
ہوں تو خدا تعالیٰ وہ چیز جو ہمارے لئے بہتر ہو عطا کرتا ہے۔ اور

[1] ایام الصلح صہ ۹

بایں ہمہ دونوں صورتوں میں ہمارے ایمان کو بھی ترقی دیتا ہے۔ کیونکہ ہم دعا کے ذریعہ سے پیش از وقت خدا تعالیٰ سے علم پاتے ہیں۔ اور ایسا یقین بڑھتا ہے کہ گویا ہم اپنے خدا کو دیکھ لیتے ہیں[1]۔

قبولیّتِ دُعا کیلئے جوش کا پیدا ہونا ضروری ہے

دلی جوش کے محرکات

قبولیت دعا کے لئے ضروری ہے کہ اس میں ایک جوش ہو کیونکہ جس دعا میں جوش نہ ہو۔ وہ صرف لفظی بڑبڑ ہے حقیقی دعا نہیں مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ دُعا میں جوش پیدا ہونا ہر ایک وقت انسان کے اختیار میں نہیں بلکہ انسان کے لئے اشد ضرورت ہے کہ دعا کرنے کے وقت جو امور دلی جوش کے محرک ہیں وہ اس کے خیال میں حاضر ہوں اور یہ بات ہر ایک عاقل پر روشن ہے کہ دلی جوش پیدا کرنے والی صرف دو چیزیں ہیں ایک خدا کو کامل اور قادر اور جامع صفاتِ کاملہ خیال کرکے اس کی رحمتوں اور کرموں کو ابتداء سے انتہا تک اپنے وجود اور بقا کے لئے ضروری دیکھنا اور تمام فیوض کا مبداء اُسی کو خیال کرنا۔ دوسرے

---

[1] ایام الصلح صفحہ ۱۰

اپنے تئیں اور اپنے تمام ہم جنسوں کو عاجز اور مفلس اور خدا کی مدد کا محتاج یقین کرنا یہی دو امر ہیں جن سے دعاؤں میں جوش پیدا ہوتا ہے اور جو جوش دلانے کے لئے کامل ذریعہ ہیں۔ وجہ یہ کہ انسان کی دعا میں تب ہی جوش پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے تئیں سراسر ضعیف اور ناتواں اور مدد الٰہی کا محتاج دیکھتا ہے اور خدا کی نسبت نہایت قوی اعتقاد سے یقین رکھتا ہے کہ وہ بغایت درجہ کامل القدرت اور رب العالمین اور رحمان اور رحیم اور مالک امر مجازات ہے اور جو کچھ انسانی حاجتیں ہیں سب کا پورا کرنا اسی کے ہاتھ میں ہے"[1]

"پس خدائے تعالیٰ نے دعا میں جوش دلانے کے لئے دو محرک بیان فرمائے ایک اپنی عظمت اور رحمت شاملہ دوسرے بندوں کا عاجز اور ذلیل ہونا اب جاننا چاہیئے کہ یہی دو محرک ہیں۔ جن کا دعا کے وقت خیال میں لانا دعا کرنے والوں کے لئے نہایت ضروری ہے۔"[2]

یہ بات نہایت ظاہر ہے کہ جو شخص خدا کی عظمت اور رحمت اور قدرت کاملہ کو یاد نہیں رکھتا وہ کسی طرح خدا کی طرف رجوع نہیں کر سکتا اور جو شخص اپنی عاجزی اور درماندگی اور مسکینی کا اقراری نہیں اسکی روح اس مولیٰ کریم کی طرف ہرگز جھک نہیں سکتی غرض یہ ایسی صداقت ہے۔ جس کے سمجھنے کے لئے کوئی عمیق فلسفہ درکار نہیں۔ بلکہ جب خدا کی

---

[1] براہین احمدیہ صفحہ ۵۴۶-۵۴۷ ؛ [2] براہین احمدیہ از تفسیر سورۃ فاتحہ

عظمت اور اپنی ذلت اور عاجزی کی محقق طور پر دل میں منتقش ہو۔ تو وہ حالت خاصہ خود انسان کو سمجھا دیتی ہے کہ خالص دعا کرنیکا وہی ذریعہ ہے۔

"سچے پرستار خوب سمجھتے ہیں کہ حقیقت میں انہیں دو چیزوں کا تصور دعا کے لئے ضروری ہے۔ یعنی اول اس بات کا تصور کہ خدا تعالیٰ ہر ایک قسم کی ربوبیت اور پرورش اور رحمت اور بدلہ دینے پر قادر ہے۔ اور اُس کی یہ صفات کاملہ ہمیشہ اپنے کام میں لگی ہوئی ہیں۔ دوسرے اس بات کا تصور کہ انسان بغیر توفیق اور تائید الٰہی کے کسی چیز کو حاصل نہیں کر سکتا اور بلاشبہ یہ دونوں تصور ایسے ہیں کہ جب دعا کرنے کے وقت دل میں جم جاتے ہیں تو یکایک انسان کی حالت کو ایسا تبدیل کر دیتے ہیں کہ ایک متکبر اُن سے متاثر ہو کر روتا ہوا۔ زمین پر گر پڑتا ہے اور ایک گردن کش سخت دل کے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ یہی کَل ہے جس سے ایک غافل مردہ میں جان پڑ جاتی ہے۔ انہیں دو باتوں کے تصور سے ہر ایک دل دعا کرنے کی طرف کھینچا جاتا ہے" ؎۱

"یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ بڑا بے نیاز ہے۔ جب تک کثرت سے اور بار بار اضطراب سے دعا نہیں کی جاتی وہ پروا نہیں کرتا۔ دیکھو کسی کی بیوی یا بچہ بیمار ہو یا کسی پر سخت مقدمہ آجاوے تو ان باتوں کے واسطے

؎۱ براہین احمدیہ۔ زیر تفسیر سورہ فاتحہ

اس کو کیسا اضطراب ہوتا ہے۔ پس دعائیں بھی جب تک سچی تڑپ اور حالتِ اضطراب پیدا نہ ہو۔ تب تک وہ بالکل بے اثر اور بیہودہ کام ہے قبولیت کے واسطے اضطراب شرط ہے جیسا کہ فرمایا۔ امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء[1]

قرآن کریم تو صاف بتلاتا ہے کہ اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ اور اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنَ۔

اللہ تعالیٰ کی ان ہی قدرتوں اور فوق الفوق طاقتوں نے میرے دل میں دعا کے لئے ایک جوش ڈال رکھا ہے۔[2]

بغض و کینہ دعا کی قبولیت میں روک ہے

جب تک سینہ صاف نہ ہو۔ دعا قبول نہیں ہوتی۔ اگر کسی دنیوی معاملہ میں ایک شخص کے ساتھ بھی تیرے سینہ میں بغض ہے۔ تو تیری دعا قبول نہیں ہو سکتی۔ اس بات کو اچھی طرح سے یاد رکھنا چاہیئے۔ اور دنیوی معاملہ کے سبب کبھی کسی کے ساتھ بغض نہیں رکھنا چاہیئے۔[3]

دعا کرانیوالے کی ذمہ داری

استجابت دعا کے لئے ایک ایسی شرط ہے جو تمام شرطوں سے مقدم تر ہے۔ کیونکہ

[1] ن م ص ۱۳۷ ؛ [2] ن م ص ۱۹۵ ؛ [2] کشتی نوح ص ؛ [3] ن م ص ۱۹۵ - ۱۹۶

اس کا پورا کرنا خدا کے مقبول بندوں کے ہاتھ میں نہیں۔ بلکہ اس شخص کے ہاتھ میں ہے۔ جو دعا کرانا چاہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ نہایت صدق اور کامل اعتقاد اور کامل یقین اور کامل ارادت اور کامل غلامی کے ساتھ دعا کا خواہاں ہو۔ اور یہ دل میں فیصلہ کرے کہ اگر دعا قبول بھی نہ ہو تاہم اس کے اعتقاد اور ارادت میں فرق نہیں آئے گا۔ اور دعا کرانا آزمائش کے طور پر نہ ہو۔ بلکہ سچے اعتقاد کے طور پر ہو۔ اور نہایت نیازمندی سے اس کے دروازے پر گرے۔ اور جہاں تک اس کے لئے ممکن ہے۔ مال سے خدمت سے ہر ایک طور کی اطاعت سے ایسا قرب پیدا کرے کہ اس کے دل کے اندر داخل ہو جائے اور باایں ہمہ نہایت درجہ پر نیک ظن ہو اور اس کو نہایت درجہ کا متقی سمجھے اور اس کی مقدس شان کے برخلاف ایک خیال بھی دل میں لانا کفر خیال کرے اور اس قسم کی طرح طرح کی جانثاری دکھلا کر سچے اعتقاد کو اس پر ثابت اور روشن کر دے اور اس کی مثل دنیا میں کسی کو بھی نہ سمجھے اور جان سے مال سے آبرو سے اس پر فدا ہو جائے اور کوئی کلمہ کسرشان کا کسی پہلو سے اس کی نسبت زبان پر نہ لائے اور نہ دل میں۔ اور اس بات کو اس کی نظر میں بپایہ ثبوت پہنچا دے کہ درحقیقت وہ ایسا ہی معتقد اور مرید ہے اور باایں ہمہ صبر سے انتظار کرے اور اگر پچاس

دفعہ بھی اپنے کام میں نامراد رہے پھر بھی اعتقاد اور یقین میں شکست نہ ہو کیونکہ یہ قوم سخت نازک دل ہوتی ہے اور ان کی فراست چہرہ کو دیکھ کر پہچان سکتی ہے کہ یہ شخص کس درجہ کا اخلاص رکھتا ہے اور یہ قوم باوجود نرم دل ہونے کے نہایت بے نیاز ہوتی ہے۔ ان کے دل خدا نے ایسے بے نیاز پیدا کئے ہیں کہ متکبر اور خود غرضی اور منافق طبع انسان کی کچھ پروا نہیں کرتے اس قوم سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو اس قدر غلامانہ اطاعت ان کی اختیار کرتے ہیں کہ گویا مر ہی جاتے ہیں۔ مگر وہ شخص جو قدم قدم پر بدظنی کرتا ہے۔ اور دل میں کوئی اعتراض رکھتا ہے اور پوری محبت اور ارادت نہیں رکھتا وہ بجائے فائدہ کے ہلاک ہوتا ہے۔[1]

"میں اگر کسی کے لئے دعا کروں اور خدا تعالیٰ کے ساتھ اس کا معاملہ صاف نہیں۔ وہ اس سے سچا تعلق نہیں رکھتا تو میری دعا اس کو کیا فائدہ دے گی۔ لیکن اگر وہ صاف دل ہے اور کوئی کھوٹ نہیں رکھتا تو میری دعا اس کے لئے نورٌ علیٰ نور ہوگی۔"[2]

"دعا اسی کو فائدہ پہنچا سکتی ہے جو خود بھی اپنی اصلاح کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنے سچے تعلق کو قائم کرتا ہے۔ پیغمبر کسی کے لئے اگر

---

[1] براہین احمدیہ پنجم ص ۲۲۷ ، ۲۲۸ ؛ [2] م ۵ ص ۶۹

شفاعت کرے۔ لیکن وہ شخص جس کی شفاعت کی گئی ہے۔ اپنی اصلاح نہ کرے اور غفلت کی زندگی سے نہ نکلے تو وہ شفاعت اس کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی ؏

دیکھو کہ نوحؑ کا بیٹا ہلاک ہوا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہلاک ہوئے ان کو ایمان نصیب نہ ہوا۔ اسی طرح موسیٰؑ کا چچا زاد بھائی تھا۔ اس کو کچھ فائدہ موسیٰؑ کے رشتہ سے نہ ہوا۔ دعا تو ہم کرتے ہیں مگر جب تک انسان خود سیدھا نہ ہو۔ دعا شفا کی فائدہ نہیں کرتی اگر انسان رحمت کے مقام سے خود ہی بھاگے تو رحمت اُسے کہاں کہاں تلاش کرے گی ؟ ؎۱

" یہ بات بھی بحضور دل سن لینی چاہیئے کہ قبول دعا کے لیے بھی چند شرائط ہوتی ہیں۔ اُن میں سے بعض تو دعا کرنے والے کے متعلق ہوتی ہیں اور بعض دعا کرانے والے کے متعلق دعا کرانے والے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف اور خشیت کو مدنظر رکھے اور اس کے غنا ذاتی سے ہر وقت ڈرتا رہے اور صلح کاری اور خدا پرستی اپنا شعار بنائے تقویٰ اور راستبازی سے خدا تعالیٰ کو خوش کرے۔ تو ایسی صورت میں دُعا کے لئے باب استجابت کھولا جاتا ہے اور اگر وہ خدا تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے اور اس سے بگاڑ اور جنگ قائم کرتا ہے تو اس کی شرارتیں اور غلط کاریاں

دعا کی راہ میں ایک سدّ اور چٹان ہو جاتی ہیں اور استجابت کا دروازہ اس کے لئے بند ہو جاتا ہے پس ہمارے دوستوں کے لئے لازم ہے کہ وہ ہماری دعاؤں کو ضائع ہونے سے بچا دیں اور ان کی راہ میں کوئی روک نہ ڈال دیں۔ جو ان کی ناشائستہ حرکات سے پیدا ہو سکتی ہے"[۱]

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لوگ دعا کے لئے لکھتے حضور جواب بھجواتے کہ دعا کی گئی وہ پھر لکھتے کہ کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ حضرت اقدسؑ نے اس پر فرمایا :۔

"سخت ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ دعا کے مضمون پر قلم اٹھایا جائے کیونکہ پہلے مضامین اس بارہ میں کافی ثابت نہیں ہوئے۔ دعا نہایت نازک امر ہے اور اس کے لئے شرط ہے کہ مستدعی اور داعی میں ایسا مستحکم رابطہ ہو جائے کہ ایک کا درد دوسرے کا درد ہو جائے اور ایک کی خوشی دوسرے کی خوشی ہو جائے جس طرح شیر خوار بچہ کا رونا ماں کو بے اختیار کر دیتا اور اس کی چھاتیوں میں دودھ اُتار دیتا ہے ویسے ہی مستدعی کی حالت زار اور استغاثہ پر داعی سراسر رقت اور عقد ہمت بن جائے .... سلسلہ اسباب میں ضروری ہوتا ہے کہ داعی کو کوئی محرک شدید جنبش اور حرکت دینے والا ہو۔ اسکی تدبیر بجز اس کے اور کوئی نہیں

---

[۱] ملفوظات ۔ جلد ۵ ۔ ص ۱۰۵

کہ مستدعی اپنی حالت ایسی بنالے کہ اضطراراً داعی کو اس کی طرف توجہ ہو جائے"

دُعا قبول کروانے کی ایک صورت

دعا میں بعض دفعہ قبولیت نہیں پائی جاتی تو ایسے وقت اس طرح بھی دُعا قبول ہو جاتی ہے کہ ایک شخص بزرگ سے دعا منگوائیں اور خدا تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ وہ اس مرد بزرگ کی دعاؤں کو سُنے اور بارہا دیکھا گیا ہے کہ اس طرح دعا قبول ہو جاتی ہے۔ ہمارے ساتھ بھی بعض دفعہ ایسا واقع ہوا ہے اور پچھلے بزرگوں میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ جیسا کہ باوا غلام فرید ایک دفعہ بیمار ہوئے اور دُعا کی مگر کچھ بھی فائدہ نظر نہ آیا۔ تب آپ نے اپنے ایک شاگرد کو جو نہایت ہی نیک مرد اور پارسا تھے (شاید شیخ نظام الدینؒ یا خواجہ قطب الدینؒ) دُعا کے لئے فرمایا۔ انہوں نے بہت دعا کی مگر پھر بھی کچھ اثر نہ پایا گیا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے ایک رات بہت دعا مانگی کہ اے میرے خدا اس شاگرد کو وہ درجہ عطا فرما کہ اس کی دعائیں قبولیت کا درجہ پائیں اور صبح کے وقت ان کو کہا کہ آج ہم نے تمہارے لئے یہ دعا مانگی ہے۔ یہ سن کر شاگرد کے دل میں بہت ہی رقت پیدا ہوئی اور اس نے اپنے دل میں کہا کہ جب انہوں نے میرے لئے ایسی دعا کی ہے

؎ م ص ۳۲۴

تو آؤ پہلے انہیں ہی شروع کرو اور انہوں نے اس قدر زور و شور سے دُعا مانگی کہ باوا غلام فرید کو شفا ہو گئی۔[1]

دُعا کرنیوالے اور کرانیوالے کے درمیان تعلق ہونا چاہیئے

بعض لوگ دعا کی درخواست کرتے ہیں کہ میرے لیئے دعا کرو مگر افسوس ہے کہ وہ (دعا) کرانے کے آداب سے واقف نہیں ہوتے۔ عنایت علی نے دعا کی ضرورت سمجھی اور خواجہ علی کو بھیج دیا کہ آپ جاکر دعا کرائیں۔ کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا جب تک دُعا کرانے والا اپنے اندر ایک صلاحیت اور اتباع کی عادت نہ ڈالے دعا کارگر نہیں ہو سکتی۔ مریض اگر طبیب کی اطاعت ضروری نہیں سمجھتا۔ ممکن نہیں کہ فائدہ اٹھا سکے جیسے مریض کو ضروری ہے کہ استقامت اور استقلال کے ساتھ طبیب کی رائے پر چلے تو فائدہ اٹھائے گا ایسے ہی دعا کرانے والے کے لیئے آداب اور طریق ہیں۔ تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ سے کسی نے دعا کی خواہش کی بزرگ نے فرمایا کہ دودھ چاول لاؤ وہ شخص حیران ہوا آخر وہ لایا۔ بزرگ نے دعا کی اور اس شخص کا کام ہو گیا آخر اسے بتلایا گیا کہ یہ صرف تعلق پیدا کرنے کے لیئے تھا۔ ایسا ہی باوا فرید صاحب کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ایک شخص کا قبالہ گم ہوا اور وہ دعا

---

[1] م ۹ م ص ۲۳۴

کے لئے آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے حلوہ کھلاؤ۔ اور وہ قبالہ حلوائی کی دکان سے مل گیا۔

ان باتوں کے بیان کرنے سے میرا یہ مطلب ہے کہ جب تک دعا کرنے والے اور کرانے والے میں ایک تعلق نہ ہو۔ متاثر نہیں ہوتی۔ غرض جب تک اضطرار کی حالت پیدا نہ ہو اور دعا کرنے والے کا قلق دعا کرانے والے کا قلق نہ ہو جائے کچھ اثر نہیں کرتی۔ بعض اوقات یہی مصیبت آتی ہے کہ لوگ دعا کرانے کے آداب سے واقف نہیں ہوتے اور دعا کا کوئی بیّن فائدہ محسوس نہ کرکے خدا تعالیٰ پر بدظن ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی حالت کو قابل رحم بنا لیتے ہیں۔ بالآخر میں کہتا ہوں کہ خود دعا کرو یا کراؤ۔ پاکیزگی اور طہارت پیدا کرو۔ استقامت چاہو اور توبہ کے ساتھ گر جاؤ۔ کیونکہ یہی استقامت ہے۔ اس وقت دعا میں قبولیت اور غار میں لذّت پیدا ہو گی ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔[۱]

دعا کرنیوالے کو دعا کروانیوالے کے حالات کا پورا علم ہو	ایک شخص نے اپنے ذاتی امور کے متعلق درخواست دعا کی اس پر حضور نے فرمایا۔

میں آپ کے واسطے انشاء اللہ دعا کروں گا۔ مگر میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ اصولِ دعا میں سے یہ بات ہے کہ جب تک انسان کو کسی کے حالات کے ساتھ پورا تعلق نہ ہو۔ تب تک وہ رقت اور درد اور توجہ نہیں ہو سکتی جو دعا کے واسطے ضروری ہے۔ اور اس قسم کے حضور اور توجہ کا پیدا کرنا دراصل اختیاری امر نہیں ہے۔ دعا میں کوشش ہر دو طرف سے ہونی ضروری ہے۔ دعا کرنے والا خدا تعالیٰ کے حضور میں توجہ کرنے میں کوشش کرے اور دعا کرانے والا اس کو توجہ دلانے میں مشغول رہے۔ تو خواہ مخواہ کسی نہ کسی وقت اس کے لئے درد پیدا ہو جائے گا۔ دعا بڑی شئے ہے جب کہ انسان ہر طرف سے مایوس ہو جاتے تو آخری حیلہ دعا ہے جس سے تمام مشکلات حل ہو جاتے ہیں۔ مگر ایسی توجہ کی دعا ضرور ایک وقت چاہتی ہے اور یہ بات انسان کے اختیار میں نہیں کہ کسی کے واسطے دل میں درد پیدا کرے۔

ایک صوفی کا ذکر ہے کہ وہ راستہ میں جاتا تھا کہ ایک لڑکا اس کے سامنے گر پڑا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ صوفی کے دل میں درد پیدا ہوا۔ اور اسی جگہ خدا تعالیٰ کے آگے دعا کی اور عرض کی کہ اے خدا تو اس لڑکے کی ٹانگ کو درست کر دے ورنہ تو نے اس قصاب کے دل میں درد کیوں پیدا کیا۔

ہمارا مذہب یہ ہے کہ کیسی ہی مشکلات مالی یا جانی انسان پر پڑیں۔ اُن سب کا آخری علاج دعا ہے۔ خدا تعالیٰ ہر شئے کا مالک ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور کرسکتا ہے اور ہر شئے پر اس کا قبضہ ہے۔ انسان کسی حاکم یا افسر کے ساتھ اپنا معاملہ صاف کرتا ہے اور اس کو راضی کرتا ہے تو وہ اسے بہت سا فائدہ پہنچا دیتا ہے۔ کیا خدا تعالیٰ جو حقیقی حاکم اور مالک ہے اُس کو نفع نہیں دے سکتا؟ مگر دعا کا معاملہ ایسا نہیں کہ انسان دور سے گولی چلا دے اور چلا جائے۔ بلکہ جس شخص سے دعا کرانی چاہیئے اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنا چاہیئے۔ دیکھو بازار میں آپ کو ایک شخص اتفاقیہ طور پر مل جاوے اور آپ اس کو پکڑ لیں اور کہیں کہ تو میرا دوست بن جا تو وہ کس طرح دوست بن سکتا ہے؟ دوستی کے واسطے تعلقات کا ہونا ضروری ہے اور وہ رفتہ رفتہ ہو سکتے ہیں۔

ہم تو چاہتے ہیں اور خواہش رکھتے ہیں کہ تمام بنی نوع کے واسطے دل میں سچا درد پیدا ہو جاوے مگر یہ امر اپنے ہاتھ میں نہیں۔ نہ اپنے واسطے نہ اپنے عزیز واقارب کے واسطے نہ بیوی بچے کے واسطے ایسے درد کا پیدا ہونا محض خدا تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔ لیکن تعلقات کا ہونا بہت ضروری ہے کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص شیخ نظام الدین صاحب ولی اللہ کے پاس اپنے کسی ذاتی مطلب کے لیئے دعا کرانے کے واسطے گیا تو انہوں نے فرمایا

کہ میرے واسطے دودھ چاول لے آ۔ اس شخص کے دل میں خیال آیا کہ عجیب ولی ہے۔ میں اس کے پاس اپنا مطلب لے کر آیا ہوں۔ تو اس نے میرے آگے اپنا ایک مطلب پیش کر دیا ہے مگر وہ چلا گیا۔ اور دودھ چاول پکا کر لے آیا۔ جب وہ کھا چکے تو انہوں نے اس کے واسطے دعا کی اور اس کی مشکل حل ہو گئی۔ تب نظام الدین صاحب نے اس کو بلایا کہ میں نے تجھ سے دودھ چاول اس واسطے مانگے تھے کہ جب تو دعا کرانے کے واسطے آیا تھا تو میرے واسطے بالکل اجنبی آدمی تھا اور میرے دل میں تیرے واسطے کوئی ہمدردی کا ذریعہ نہ تھا۔ اس واسطے تیرے ساتھ ایک تعلق محبت پیدا کرنے کے واسطے میں نے یہ بات سوچی تھی۔ ایسا ہی توریت میں حضرت اسحاق کا قصہ ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو کہا کہ جا تو میرے واسطے شکار لے آ اور پکا کر مجھے کھلا تاکہ میں تجھے برکت دوں اور تیرے واسطے دعا کروں۔ اس قسم کے بہت سے قصے اولیاء کے حالات میں مندرج ہیں۔ اور ان میں حقیقت یہی ہے کہ دعا کرنے والے اور کرانے والے کے درمیان تعلق ہونا چاہیئے۔ (رر)

دعا کو کبھی تھک کر ترک نہ کرنا چاہیئے

میں یقیناً جانتا ہوں کہ چونکہ بہت سے لوگ دنیا میں ایسے ہیں۔ جو

اس نقطہ سے جہاں دُعا اثر کرتی ہے دور رہ جاتے ہیں۔ اور تھک کر دعا چھوڑ دیتے ہیں۔ اور خود ہی یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ دعاؤں میں کوئی اثر نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تو ان کی اپنی غلطی اور کمزوری ہے جب تک کافی وزن نہ ہو۔ خواہ زہر ہو یا تریاق اس کا اثر نہیں ہوتا۔ کسی کو بھوک لگی ہوئی ہو اور چاہے کہ ایک دانہ سے پیٹ بھر سے یا تولہ بھر غذا کھاوے تو کیا ہو سکتا ہے کہ وہ سیر ہو جاوے؟ کبھی نہیں اسی طرح جس کو پیاس لگی ہوئی ہے۔ ایک قطرہ پانی سے اس کی پیاس کب بجھ سکتی ہے۔ بلکہ سیر ہونے کے لئے چاہیئے کہ وہ کافی غذا کھاوے۔ اور پیاس بجھانے کے واسطے لازم ہے کہ کافی پانی پیوے تب جا کر اس کی تسلی ہو سکتی ہے"؎

دُعا بڑی چیز ہے۔ افسوس لوگ نہیں سمجھتے کہ وہ کیا چیز ہے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہر دعا جس طرز اور حالت پر مانگی جاوے۔ ضرور قبول ہو جانی چاہیئے۔ اس لئے جب وہ کوئی دعا مانگتے ہیں۔ اور پھر وہ اپنے دل میں جمائی ہوئی صورت کے مطابق اس کو پورا ہوتا نہیں دیکھتے تو مایوس اور نا امید ہو کر اللہ تعالیٰ پر بدظن ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ مومن کی یہ شان ہونی چاہیئے کہ اگر بظاہر اسے اپنی دُعا میں مراد حاصل نہ ہو۔ تب

؎ الحکم جلد ۶ نمبر ۱۵

بھی نا اُمید نہ ہو۔ کیونکہ رحمت الٰہی نے اس دعا کو اس کے حق میں مفید نہیں قرار دیا۔ دیکھو بچہ اگر ایک آگ کے انگارے کو پکڑنا چاہے تو ماں دوڑ کر اس کو پکڑے گی۔ بلکہ اگر بچہ کی اس نادانی پر ایک تھپڑ بھی لگا دے تو کوئی تعجب نہیں۔ اسی طرح مجھے تو ایک لذت اور سرور آجاتا ہے جب میں اس فلسفہ دعا پر غور کرتا ہوں اور دیکھتا ہے کہ وہ علیم وخبیر خدا جانتا ہے کہ کون سی دعا مفید ہے۔ [لہ]

قبولیت دعا میں استقامت شرط ہے

دُعا کے معاملہ میں حضرت عیسٰیؑ نے خوب مثال بیان کی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ ایک قاضی تھا جو کسی کا انصاف نہ کرتا تھا اور رات دن اپنی عیش میں مصروف رہتا تھا۔ ایک عورت جس کا ایک مقدمہ تھا۔ وہ ہر وقت اس کے دروازے پر آتی اور اس سے انصاف چاہتی۔ وہ برابر ایسا کرتی رہی۔ یہاں تک کہ قاضی تنگ آگیا۔ اور اس نے بالآخر اس کا مقدمہ فیصلہ کیا اور اس کا انصاف اُسے دیا۔ دیکھو کیا تمہارا خدا قاضی جیسا بھی نہیں کہ وہ تمہاری دُعا سنے اور تمہیں تمہاری مراد عطا کرے ثابت قدمی کے ساتھ دعا میں مصروف رہنا چاہیے۔ قبولیت کا وقت بھی ضرور آ ہی جائے گا۔ استقامت شرط ہے۔ [ٹہ]

لہ م ۲ ص ۱۹۵ ؛ ٹہ م ۹ ص ۲۱۱

دعاؤں کے نتائج میں تاخیر و توقف کی حکمت

کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ ایک طالب نہایت رقّت اور درد کے ساتھ دعائیں کرتا ہے مگر وہ دیکھتا ہے کہ ان دعاؤں کے نتائج میں ایک تاخیر اور توقف واقع ہوتا ہے۔ اس کا سر کیا ہے؟ اس میں یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اوّل تو جس قدر امور دنیا میں ہوتے ہیں۔ ان میں ایک قسم کی تدریج پائی جاتی ہے۔ دیکھو ایک بچہ کو انسان بننے کے لئے کس قدر مرحلے اور منازل طے کرنے پڑتے ہیں۔ ایک بیج کا درخت بننے کے لئے کس قدر توقف ہوتا ہے۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ کے امور کا نفاذ بھی تدریجاً ہوتا ہے۔ دوسرے اس توقف میں یہ مصلحتِ الٰہی ہوتی ہے کہ انسان اپنے عزم اور عقد ہمّت میں پختہ ہو جاوے اور معرفت میں استحکام اور رسوخ ہو۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس قدر انسان اعلیٰ مراتب اور مدارج کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسی قدر اس کو زیادہ محنت اور وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

پس استقلال اور ہمت ایک ایسی عمدہ چیز ہے کہ اگر یہ نہ ہو۔ تو انسان کامیابی کی منزلوں کو طے نہیں کر سکتا۔ اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ پہلے مشکلات میں ڈالا جاوے۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اسی فرمایا ہے دنیا میں کوئی کامیابی اور راحت ایسی نہیں ہے۔ جس کی ابتداء

اور اوّل میں کوئی رنج اور مشکل نہ ہو۔ ہمت کو نہ ہارنے والے مستقل مزاج فائدہ اٹھا لیتے ہیں اور کچھ اور ناواقف راستہ میں ہی تھک کر رہ جاتے ہیں۔

پنجابی میں کسی نے کہا ہے ؎ "ایہو ہینگی کیمیا جیسے دن تھوڑے ہور"

پس جب خدا پر سچا ایمان ہو کہ وہ میری دعاؤں کو سننے والا ہے تو یہ ایمان مشکلات میں بھی ایک لذیذ ایمان ہوتا ہے۔ اور غم میں ایک اعلیٰ یا فوقی کا کام دیتا ہے۔ ہموم و غموم کے وقت اگر انسان کی کوئی پناہ نہ ہو۔ تو دل کمزور ہو جاتا ہے اور آخر مایوس ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے اور خودکشی کرنے پر آمادہ ہوتا ہے بلکہ بہت سے ایسے بدقسمت یورپ کے ملکوں میں خصوصاً پائے جاتے ہیں۔ جو ذرا سی نامرادی پر گولی کھا کر مر جاتے ہیں ایسے لوگوں کا خودکشی کرنا خود اُن کے مذہب کی موت اور کمزوری کی دلیل ہے۔ اگر اس میں کوئی قوت اور طاقت ہوتی تو اپنے ماننے والوں کو ایسی یاس اور نامرادی کی حالت میں نہ چھوڑتا۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ پر اسے ایمان ہے۔ اور اس قادر کریم ہستی پر یقین رکھتا ہے کہ وہ دعائیں سنتا ہے۔ تو اس کے دل میں ایک طاقت آتی ہے۔

یہ دعائیں حقیقت میں بہت قابل قدر ہوتی ہیں۔ اور دعاؤں والا آخر کار کامیاب ہو جاتا ہے۔ ہاں یہ نادانی اور سوءِ ادب ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے ارادہ سے لڑنا چاہیئے۔ مثلاً دعا کرے کہ رات کے پہلے حصہ میں

سورج نکل آوے اس قسم کی دعائیں گستاخی میں داخل ہوتی ہیں۔ وہ شخص نقصان اٹھاتا ہے اور ناکام رہتا ہے جو گھبرانے والا اور قبل از وقت چاہنے والا ہے۔ مثلاً اگر بیاہ کے دس دن بعد مرد و عورت یہ خواہش کریں کہ اب بچہ پیدا ہو جاوے تو کیسی حماقت ہوگی۔؎۱

نماز اور دعا کا حق

یہ مت خیال کرو کہ جو نماز کا حق تھا۔ ہم نے ادا کر لیا یا دعا کا جو حق تھا وہ ہم نے پورا کیا۔ ہرگز نہیں۔ دعا اور نماز کے حق کا ادا کرنا چھوٹی بات نہیں یہ تو ایک موت اپنے اوپر وارد کرنی ہے۔ نماز اس بات کا نام ہے کہ جب انسان اسے ادا کرتا ہو۔ تو یہ محسوس کرے کہ اس جہاں سے دوسرے جہان میں پہنچ گیا ہوں بہت سے لوگ ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ پر الزام لگاتے ہیں اور اپنے آپ کو بری خیال کر کے کہتے ہیں کہ ہم نے تو نماز بھی پڑھی اور دعا بھی کی ہے۔ مگر قبول نہیں ہوئی۔ یہ ان لوگوں کا اپنا قصور ہوتا ہے۔ نماز اور دعا جب تک انسان غفلت اور کسل سے خالی نہ ہو۔ تو وہ قبولیت کے قابل نہیں ہوا کرتی اگر انسان ایک ایسا کھانا کھائے جو کہ بظاہر تو میٹھا ہے۔ مگر اس کے اندر زہر ملی ہوئی ہے تو مٹھاس سے وہ زہر معلوم تو نہ ہوگا۔ مگر پیشتر اس کے کہ مٹھاس اپنا اثر کرے۔ زہر پہلے ہی اثر کر کے کام تمام کر دے گا۔ یہی وجہ ہے

؎۱ ص ۲۰۲ تا ۲۰۴

کر غفلت سے بھری ہوئی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ کیونکہ غفلت اپنا اثر پہلے کر جاتی ہے۔ یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا بالکل مطیع ہو۔ اور پھر اس کی دعا قبول نہ ہو۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ اس کے مقررہ شرائط کو کامل طور پر ادا کرے۔ جیسے ایک انسان اگر دوربین سے دور کی شئے نزدیک دیکھنا چاہیئے۔ تو جب تک وہ دوربین کے آلہ کو ٹھیک ترتیب پر نہ رکھے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ یہی حال نماز اور دعا کا ہے۔ اسی طرح ہر ایک کام کی شرط ہے۔ جب وہ کامل طور پر ادا ہو۔ تو اس سے فائدہ ہوا کرتا ہے۔ اگر کسی کو پیاس لگی ہو اور پانی اس کے پاس بہت سا موجود ہو۔ مگر نہ پیئے نہ تو فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ یا اگر اس میں سے ایک دو قطرہ پیئے تو کیا فائدہ ہوگا؟ پوری مقدار پینے سے ہی فائدہ ہوگا۔ غرضیکہ ہر ایک کام کے واسطے خدا تعالیٰ نے ایک حد مقرر کی ہے۔ جب وہ اس حد پر پہنچتا ہے۔ تو بابرکت ہوتا ہے۔ اور جو کام اس حد تک نہ پہنچیں تو وہ اچھے نہیں کہلاتے۔ اور نہ ان میں برکت ہوتی ہے[سلہ]"

دعا اور اس کے آداب

دعا بڑی عجیب چیز ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ نہ دعا کرانے والے آداب دعا سے واقف ہیں اور نہ اس زمانہ میں دعا کرنے والے ان طریقوں سے واقف ہیں جو قبولیت دعا

کے ہوتے ہیں۔ بلکہ اصل تو یہ ہے کہ دُعا کی حقیقت ہی سے بالکل اجنبیت ہو گئی ہے۔ بعض ایسے ہیں۔ جو سرے سے دُعا کے منکر ہیں اور جو دعا کے منکر تو نہیں مگر مگر ان کی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ چونکہ ان کی دعائیں بوجہ آداب دعا سے ناواقفیت کے قبول نہیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ دعا اپنے اصلی معنوں میں دعا ہوتی ہی نہیں۔ اس لئے وہ منکرین دعا سے بھی گری ہوئی حالت میں ہیں۔ ان کی عملی حالت نے دوسروں کو دہریت کے قریب پہنچا دیا ہے۔ دعا کے لئے سب سے اول اس امر کی ضرورت ہے کہ دعا کرنے والا کبھی تھک کر مایوس نہ ہو جاوے اور اللہ تعالیٰ پر یہ سوءِ ظن نہ کر بیٹھے کہ اب کچھ بھی نہیں ہوگا۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ اس قدر دعا کی گئی کہ جب مقصد کا شگوفہ سرسبز ہونے کے قریب ہوتا ہے۔ دعا کرنے والے تھک گئے ہیں جس کا نتیجہ ناکامی اور نامرادی ہو گیا ہے۔ اور اسی نامرادی نے یہاں تک بُرا اثر پہنچایا ہے۔ کہ دعا کی تاثیرات کا انکار شروع ہوا اور رفتہ رفتہ اس درجہ تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ پھر خدا کا بھی انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اور کہہ دیتے ہیں کہ اگر خدا ہوتا اور دعاؤں کو قبول کرنے والا ہوتا تو اس قدر عرصہ دراز تک جو دعائیں کی گئیں کیونکہ قبول نہ ہوئیں۔ مگر ایسا خیال کرنے والا اور ٹھوکر کھانے والا انسان اگر اپنے عدم استقلال اور تلون کو سوچے تو اُسے معلوم ہو جائے کہ ساری نامرادیاں اس کی اپنی ہی

جلد بازی اور شتاب کاری کا نتیجہ ہیں۔ جن پر خدا کی قوتوں اور طاقتوں کے متعلق بدظنی اور نامراد کرنے والی مایوسی بڑھ گئی پس کبھی تھکنا نہیں چاہیئے۔

دعا کی ایسی ہی حالت ہے۔ جیسے ایک زمیندار باہر جا کر اپنے کھیت میں ایک بیج بو آتا ہے۔ اب بظاہر تو یہ حالت ہے کہ اس نے اچھے بھلے اناج کو مٹی کے نیچے دبا دیا۔ اس وقت کوئی کیا سمجھ سکتا ہے۔ کہ یہ دانہ ایک عمدہ درخت کی صورت میں نشو و نما پا کر پھل لائے گا۔ باہر کی دنیا اور خود زمیندار بھی نہیں دیکھ سکتا کہ یہ دانہ اندر ہی اندر زمین میں ایک پودا کی صورت اختیار کر رہا ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ تھوڑے دنوں کے بعد وہ دانہ گل کر اندر ہی اندر پودا بننے لگتا ہے اور تیار ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کا سبزہ اوپر نکل آتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ اب دیکھو وہ دانہ جس وقت سے زمین کے نیچے ڈالا گیا تھا دراصل اسی ساعت سے وہ پودا بننے کی تیاری کرنے لگ گیا تھا۔ مگر ظاہر بین نگاہ اس سے کوئی خبر نہیں رکھتی۔ اور اب جب کہ اس کا سبزہ باہر نکل آیا تو سب نے دیکھ لیا۔ لیکن ایک نادان بچہ اس وقت یہ نہیں سمجھ سکتا کہ اس کو اپنے وقت پر پھل لگے گا۔ وہ یہ چاہتا ہے۔ کیوں اسی وقت اس کو پھل نہیں لگتا۔ مگر عقلمند زمیندار خوب سمجھتا ہے کہ اس کے پھل کا کون سا موقع ہے۔ وہ صبر سے اس کی نگرانی کرتا اور غور و پرداخت

کرتا رہتا ہے اور اس طرح پر وہ وقت آجاتا ہے کہ جب اس کو پھل لگتا ہے اور وہ پک بھی جاتا ہے۔ یہی حال دُعا کا ہے اور بعینہٖ اسی طرح دعا نشوونما پاتی اور مثمر ثمرات ہوتی ہے۔ جلد باز پہلے ہی تھک کر رہ جاتے ہیں اور صبر کرنے والے مآل اندیش استقلال کے ساتھ لگے رہتے ہیں اور اپنے مقصد کو پا لیتے ہیں۔

یہ سچی بات ہے کہ دعا میں بڑے بڑے مراحل اور مراتب ہیں جن کی ناواقفیت کی وجہ سے دعا کرنے والے اپنے ہاتھ سے محروم ہو جاتے ہیں ان کو ایک جلد کا لگ جاتی ہے اور وہ صبر نہیں کر سکتے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کے کاموں میں ایک تدریج ہوتی ہے۔ دیکھو یہ بھی نہیں ہوتا کہ آج انسان شادی کرے تو کل کو اس کے گھر بچہ پیدا ہو جاوے۔ حالانکہ وہ قادر ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔ مگر جو قانون اور نظام اس نے مقرر کر دیا ہے۔ وہ ضروری ہے پہلے نباتات کی نشوونما کی طرح کچھ پتہ ہی نہیں لگتا۔ چار مہینے تک کوئی یقینی بات نہیں کہہ سکتا۔ پھر کچھ حرکت محسوس ہونے لگتی ہے۔ اور پوری میعاد گذرنے پر بہت بڑی تکالیف برداشت کرنے کے بعد بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بچہ کا پیدا ہونا ماں کا بھی ساتھ ہی پیدا ہونا ہوتا ہے۔ مرد شائد ان تکالیف اور مصائب کا اندازہ نہ کر سکیں۔ جو اس مدت حمل کے درمیان عورت کو برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ مگر یہ سچی بات ہے کہ عورت

کی بھی ایک نئی زندگی ہوتی ہے۔

اب غور کرو کہ اولاد کے لئے پہلے ایک موت خود اُس کو قبول کرنی پڑتی ہے۔ تب کہیں جا کر وہ اس خوشی کو دیکھتی ہے۔ اسی طرح پر دُعا کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ تلوّن اور عجلت کو چھوڑ کر ساری تکلیفوں کو برداشت کرتا رہے اور کبھی بھی یہ وہم نہ کرے کہ دُعا قبول نہیں ہوئی آخر آنے والا زمانہ آجاتا ہے۔ دعا کے نتیجہ کے پیدا ہونے کا وقت پہنچ جاتا ہے جب کہ گویا مراد کا بچہ پیدا ہوتا ہے۔ دعا کو پہلے ضروری ہے کہ اس مقام اور حد تک پہنچایا جاوے جہاں پہنچ کر وہ نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہے جس طرح پر آتشی شیشے کے نیچے کپڑا رکھ دیتے ہیں اور سورج کی شعاعیں اس شیشہ پر آکر جمع ہوتی ہیں اور اُن کی حرارت اور حدت اس مقام تک پہنچ جاتی ہے جو اس کپڑے کو جلا دے پھر یکایک وہ کپڑا جل اٹھتا ہے اسی طرح پر ضروری ہے کہ دعا اس مقام تک پہنچے جہاں اس میں وہ قوت پیدا ہو جاوے کہ نامرادیوں کو جلا دے اور مقصد مراد کو پورا کرنے والی ثابت ہو جاوے۔

۵ پیدا است ندا را کہ بلند است جنابت

مدت دراز تک انسان کو دعاؤں میں لگے رہنا پڑتا ہے۔ آخر خدا اُنکے لئے ظاہر کر دیتا ہے۔ میں نے اپنے تجربہ سے دیکھا ہے اور گذشتہ راستبازوں کا

تجربہ بھی اس پر شہادت دیتا ہے کہ اگر کسی معاملہ میں دیر تک خاموشی کرے تو کامیابی کی امید ہوتی ہے۔ لیکن جس امر میں جلد جواب مل جاتا ہے وہ ہونے والا نہیں ہوتا۔ عام طور پر ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ایک سائل جب کسی کے دروازہ پر مانگنے کے لئے جاتا ہے اور نہایت اضطراب اور عاجزی سے مانگتا ہے اور کچھ دیر تک جھڑکیاں کھا کر بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا اور سوال کئے ہی جاتا ہے تو آخر اسکو بھی کچھ شرم آ ہی جاتی ہے خواہ کتنا ہی بخیل کیوں نہ ہو۔ پھر بھی کچھ نہ کچھ سائل کو دے ہی دیتا ہے۔ تو کیا دعا کرنے والے کا ایک معمولی سائل جتنا بھی استقلال نہیں ہونا چاہیئے؟ خدا تعالیٰ جو کریم ہے اور حیا رکھتا ہے۔ جب دیکھتا ہے کہ اس کا عاجز بندہ ایک عرصہ سے اس کے آستانہ پر گرا ہوا ہے۔ تو کبھی اس کا انجام بد نہیں کرتا۔ جیسے ایک حاملہ عورت چار پانچ ماہ کے بعد کہے کہ اب بچہ پیدا کیوں نہیں ہوتا اور اس خواہش میں کوئی مسقط دوائی کھالے تو اس وقت کیا بچہ پیدا ہوگا۔ یا ایک مایوس بخش حالت میں وہ خود مبتلا ہوگی؟ اسی طرح جو شخص قبل از وقت جلدی کرتا ہے وہ نقصان ہی اٹھاتا ہے۔ اور نرا نقصان بلکہ ایمان کو بھی صدمہ پہنچ جاتا ہے۔ بعض ایسی حالت میں دہریہ ہو جاتے ہیں۔ ۱؎

۱؎ م ۴ ص ۳۱۵ تا ۳۱۹

دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے ایک دعا کی تھی کہ اس کی اولاد میں سے عرب میں ایک نبی ہو۔ پھر کیا وہ اسی وقت قبول ہو گئی؟ ابراہیم علیہ السلام کے بعد ایک عرصہ دراز تک کسی کو خیال بھی نہیں آیا کہ اس دعا کا کیا اثر ہوا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی صورت میں وہ دعا پوری ہوئی اور پھر کس شان کے ساتھ پوری ہوئی[1]

جو منگے سو مر رہے۔ مرے سو منگن جا

یہ مت سمجھو کہ دعا صرف زبانی بک بک کا نام ہے۔ بلکہ دعا ایک قسم کی موت ہے جس کے بعد زندگی حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ پنجابی میں ایک شعر ہے ؎

"جو منگے سو مر رہے۔ مرے سو منگن جا" دعا میں ایک مقناطیسی اثر ہوتا ہے۔ وہ فیض اور فضل کو اپنی طرف کھینچتی ہے یہ کیا دعا ہے کہ منہ سے تو اھدنا الصراط المستقیم کہتے رہے اور دل میں خیال رہا کہ فلاں سودا اس طرح کرنا ہے۔ فلاں چیز رہ گئی ہے۔ یہ کام یوں چاہیئے تھا کہ اس طرح ہو جائے تو پھر یوں کریں گے یہ تو صرف عمر کا ضائع کرنا ہے[2]

یہ یاد رکھو کہ یہ دعا زبانی بک بک کا نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہ چیز ہے کہ دل خدا تعالیٰ کے خوف سے بھر جاتا ہے۔ اور دعا کرنے والے کی روح پانی کی طرح بہہ کر آستانہ الوہیت پر گرتی ہے اور اپنی کمزوریوں اور لغزشوں

---

[1] ج ۲ ص ۴۲ ؛ [2] ج ۲ ص ۶۲

کے لئے قوی اور مقتدر خدا سے طاقت اور قوت اور مغفرت چاہتی ہے اور یہ وہ حالت ہے کہ دوسرے الفاظ میں اس کو موت کہہ سکتے ہیں۔ جب یہ حالت میسر آجائے تو یقیناً سمجھو کہ باب اجابت اس کے لئے کھولا جاتا ہے اور خاص قوت اور فضل اور استقامت بدیوں سے بچنے اور نیکیوں پر استقلال کے لئے عطا ہوتی ہے۔ یہ ذریعہ سب سے بڑھ کر زبردست ہے ؎

لوگ کہتے ہیں کہ دعا کرو دُعا کرنا مرنا ہوتا ہے اس پنجابی فقرہ کے یہی معنے ہیں کہ جس پر نہایت درجہ کا اضطراب ہوتا ہے۔ وہ دعا کرتا ہے۔ دُعا میں ایک موت ہے اور اس کا بڑا اثر یہی ہوتا ہے کہ ایک انسان ایک طرح سے مر جاتا ہے ...... پوری سوزش اور گدازش کے ساتھ جب دُعا کی جاتی ہے حتیٰ کہ روح گداز ہو کر آستانہ الٰہی پر گر جاتی ہے اور اسی کا نام دُعا ہے اور الٰہی سنت یہی ہے کہ جب ایسی دعا ہوتی ہے تو خدا وند تعالےٰ یا تو اُسے قبول کرتا ہے اور یا اُسے جواب دیتا ہے ؎

نماز پڑھو اور تدبر سے پڑھو اور ادعیہ ماثورہ کے بعد اپنی زبان میں دعا مانگنی مطلق حرام نہیں ہے۔ جب گدازش ہو تو سمجھو کہ مجھے موقعہ دیا گیا ہے اُس وقت کثرت سے مانگو اس قدر مانگو کہ اس نکتہ تک پہنچو کہ جس سے رقت پیدا ہو جاوے ؎

سلہ ۵ م ص ۲۶۳ ؛ سلہ ۵ م ۴ صفحہ ۳۴

جو حقوق العباد دباتا ہے اُسکی دُعا قبول نہیں ہوتی

"یاد رکھو کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں دانستہ ہرگز غفلت نہ کی جاوے جو ان امور کو مدنظر رکھ کر دُعاؤں سے کام لے گا یا یوں کہو کہ جسے دُعا کی توفیق دی جاوے گی۔ ہم یقین رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ اُس پر اپنا فضل کرے گا۔"[۱]

"اپنے عمل میں اگر کوئی اخراجات دیکھو تو اُسے دُور کرو تم ایسے ہو جاؤ کہ نہ مخلوق کا حق تم پر باقی رہے۔ نہ خدا کا۔ یاد رکھو جو مخلوق کا حق دباتا ہے اس کی دُعا قبول نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ ظالم ہے۔"[۲]

دُعا کی قبولیّت کب ہوتی ہے

یہ خوب یاد رکھو کہ انسان کی دعا اُس وقت قبول ہوتی ہے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے غفلت فسق و فجور کو چھوڑ دے جس قدر قُرب الٰہی انسان حاصل کرے گا۔ اسی قدر قبولیت دعا کے ثمرات سے حصّہ لے گا۔ اسی لئے فرمایا اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ اور دوسری جگہ فرمایا ہے وَاَنّٰی لَھُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّکَانٍۭ بَعِیْدٍ "یعنی جو مجھ سے دُور ہے اُس کی دعا کیونکر سنوں یہ گویا عام قانون قدرت کے نظارہ سے ایک سبق یاد ہے یہ نہیں کہ خدا

---

[۱] ملفوظات جلد ۳ صفحہ ۲۶۶ ؛ [۲] ملفوظات جلد ۳ صفحہ ۲۶۳

سُن نہیں سکتا یہ تو دل کے مخفی در مخفی ارادوں اور اُن ارادوں سے بھی واقف ہے جو ابھی پیدا نہیں ہوئے۔ مگر یہاں انسان کو قرب الٰہی کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جیسے دور کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اسی طرح پر جو شخص غفلت اور فسق و فجور میں مبتلا رہ کر مجھ سے دور ہوتا جاتا ہے جس قدر وہ دور ہوتا ہے۔ اُسی قدر حجاب اور فاصلہ اس کی دعاؤں کی قبولیت میں ہوتا جاتا ہے کیا سچ کہا ہے ؎

پیدا است ندا را کہ بلند است جنابت

جیسے میں نے ابھی کہا گو خدا عالم الغیب ہے لیکن یہ قانون قدرت ہے کہ تقویٰ کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ نادان انسان بعض وقت عدم قبول دعا سے مرتد ہو جاتا ہے۔

دشمنوں اور منکروں کے واسطے بھی دُعا کی جائے اس سے سینہ صاف ہوتا ہے

بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی میں میرا یہ مذہب ہے کہ جب تک دشمن کے لئے دُعا نہ کی جاوے پورے طور پر سینہ صاف نہیں ہوتا۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ میں اللہ تعالیٰ نے قید نہیں لگائی۔ کہ دشمن کے واسطے دعا کرو تو قبول نہیں کروں گا بلکہ میرا تو مذہب ہے کہ دشمن کے لئے کرنا یہ بھی سُنت نبوی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ

ملفوظات ۱۹۸۵ء

اسی سے مسلمان ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے اکثر دُعا کیا کرتے تھے اس لئے بخل کے ساتھ ذاتی دشمنی نہیں کرنی چاہیئے۔ اور حقیقۃ" موذی نہیں ہونا چاہیئے۔ شکر کی بات ہے کہ ہمیں اپنا کوئی دشمن نظر نہیں آتا۔ جس کے واسطے دو تین مرتبہ دعا نہ کی ہو۔ ایک بھی ایسا نہیں اور یہی میں تمہیں کہتا ہوں اور سکھاتا ہوں۔

خدا تعالیٰ اس سے کہ کسی کو حقیقی طور پر ایذا پہنچائی جاوے۔ اور ناحق بخل کی راہ سے دشمنی کی جاوے۔ ایسا ہی بیزار ہے۔ جیسے وہ نہیں چاہتا کہ کوئی اس کے ساتھ ملایا جاوے۔ ایک جگہ وہ نہیں چاہتا اور ایک جگہ وصل نہیں چاہتا۔ یعنی بنی نوع کا باہم فصل اور اپنا کسی غیر کے ساتھ وصل اور یہی وہ راہ ہے کہ منکر دل کے واسطے بھی دُعا کی جاوے۔ اس سے سینہ صاف اور انشراح پیدا ہوتا ہے۔ اور ہمت بلند ہوتی ہے۔ اس لئے جب تک ہماری جماعت یہ رنگ اختیار نہیں کرتی۔ اس میں اور اس کے غیر میں پھر کوئی امتیاز نہیں ہے[1]

"میرا تو یہ مذہب ہے کہ دعا میں دشمنوں کو بھی باہر نہ رکھے جس قدر دعا وسیع ہوگی۔ اسی قدر فائدہ دعا کرنے والے کو ہوگا اور دعا میں جس قدر بخل کرے گا۔ اسی قدر اللہ تعالیٰ کے قرب سے دور ہوتا جاوے گا۔

---

[1] ۳ ص ۹۶-۹۷

اور اصل تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے عطیہ کو جو بہت وسیع ہے۔ جو شخص محدود کرتا ہے اس کا ایمان بھی کمزور ہے ''[1]

دوست و دشمن کیلئے ایک ہی ہتھیار

ساری عقدہ کشائیاں دُعا کے ساتھ ہو جاتی ہیں۔ ہمارے ہاتھ میں بھی اگر کسی کی خیر خواہی ہے تو کیا ہے صرف ایک دُعا کا آلہ ہی ہے۔ جو خدا نے ہمیں دیا ہے۔ کیا دوست کے لئے اور کیا دشمن کے لئے۔ ہم سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ نہیں کر سکتے۔ ہمارے بس میں ایک ذرہ بھر بھی نہیں ہے مگر جو خدا ہمیں اپنے فضل سے عطا کر دے ''[2]

دُعاؤں کیساتھ بچوّں پر رحم کرو

دیکھو تم لوگ کچھ محنت کر کے کھیت تیار کرتے ہو تو فائدہ کی اُمید ہوتی ہے۔ اسی طرح پر امن کے دن محنت کے لئے ہیں۔ اگر اب خدا کو یاد کرو گے تو اس کا مزہ پاؤ گے۔ ...... اگر دعائیں کرو گے تو وہ کریم رحیم خدا احسان کرے گا۔ دیکھو اب کام تم کرتے ہو۔ اپنی جانوں اور اپنے کنبہ پر رحم .... کرتے ہو۔ بچوں پر تمہیں رحم آتا ہے۔ جس طرح اب اُن پر رحم کرتے ہو۔ یہ بھی ایک طریق ہے کہ نمازوں میں اُن کے لئے دعائیں کرو۔ رکوع میں بھی دعا کرو۔ پھر سجدہ میں دعا کرو..... جو دعا کرتا ہے وہ

محروم نہیں رہتا۔ یہ کبھی ممکن نہیں ہے کہ دعائیں کرنے والا غافل پلید کی طرح مارا جاوے۔ اگر ایسا نہ ہو تو خدا کبھی پہچانا ہی نہ جاوے۔ وہ اپنے صادق بندوں اور غیروں میں امتیاز کر لیتا ہے۔ ایک پکڑا جاتا ہے دوسرا بچایا جاتا ہے۔ غرض ایسا ہی کرو کہ پورے طور پر تم میں سچا اخلاص پیدا ہو جائے۔[1]

ایک شخص نے اپنے والد کے متعلق کہا کہ میں اُن کے لئے دعا کیا کرتا ہوں اور حضور کو بھی لکھا کرتا ہوں۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ:۔

"توجہ سے دعا کرو۔ باپ کی دُعا بیٹے کے واسطے اور بیٹے کی باپ کے واسطے قبول ہوا کرتی ہے۔ اگر آپ بھی توجہ سے دُعا کریں تو اس وقت ہماری دُعا کا بھی اثر ہوگا۔[2]

دُعا بہترین ہمدردی ہے

"یاد رکھو ہمدردی تین قسم کی ہوتی ہے اوّل جسمانی۔ دوم مالی۔ تیسری قسم ہمدردی کی دعا ہے جس میں نہ صرف زر ہوتا ہے اور نہ زور لگانا پڑتا ہے اور اس کا فیض بہت ہی وسیع ہے۔ کیونکہ جسمانی ہمدردی تو اس صورت میں ہی انسان کر سکتا ہے جب کہ اس میں طاقت بھی ہو مثلاً ایک ناتواں مجروح مسکین اگر کہیں پڑا تڑپتا ہو تو کوئی شخص جس میں خود طاقت اور توانائی نہیں ہے

[1] ماخوذ از م ۳ صفحہ ۲۶۱ تا ۲۶۶ ؛؛ [2] م ۲ صفحہ ۱۸۸

کب اس کو اٹھا کر مدد دے سکتا ہے۔ اسی طرح پر اگر کوئی بیکس و بے بس بے سرو سامان انسان بھوک سے پریشان ہو۔ تو جب تک مال نہ ہو اس کی ہمدردی کیونکر ہوگی۔ مگر دعا کے ساتھ ہمدردی ایک ایسی ہمدردی ہے۔ کہ نہ اس کے واسطے کسی مال کی ضرورت ہے اور نہ کسی طاقت کی حاجت بلکہ جب تک انسان انسان ہے۔ وہ دوسرے کے لئے دعا کر سکتا ہے اور اس کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اس ہمدردی کا فیض بہت وسیع ہے اور اگر اس ہمدردی سے کام نہ لے تو سمجھو بہت ہی بڑا بدنصیب ہے۔ میں نے کہا ہے کہ مالی اور جسمانی ہمدردی میں انسان مجبور ہوتا ہے۔ مگر دعا کے ساتھ ہمدردی میں مجبور نہیں ہوتا۔ میرا تو یہ مذہب ہے کہ دعا میں دشمنوں کو بھی باہر نہ رکھے جس قدر دعا وسیع ہوگی۔ اسی قدر فائدہ دعا کرنے والے کو ہوگا۔ اور دعا میں جس قدر بخل کرے گا۔ اسی قدر اللہ تعالیٰ کے قرب سے دور ہوتا جاویگا۔ اور اصل تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے عطیہ کو جو بہت ہی وسیع ہے۔ جو شخص محدود کرتا ہے اس کا ایمان بھی کمزور ہے[1]

دوسروں کیلئے دعا کرنے میں فائدہ

دوسروں کے لئے دعا کرنے میں ایک عظیم الشان فائدہ یہ بھی ہے کہ عمر دراز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ وعدہ کیا ہے کہ جو لوگ دوسروں

---

[1] ۲۳ مئی ۱۹۰۲ء

کو نفع پہنچاتے ہیں اور مفید وجود ہوتے ہیں۔ ان کی عمر دراز ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ اور دوسری قسم کی ہمدردیاں چونکہ محدود ہیں۔ اس لئے خصوصیت کے ساتھ جو خیر جاری قرار دی جا سکتی ہے وہ یہی دعا کی خیر جاری ہے۔ جب کہ خیر کا نفع کثرت سے ہے۔ تو اس آیت کا فائدہ ہم سب سے زیادہ دعا کے ساتھ اُٹھا سکتے ہیں ؎

محبوبانِ الٰہی اور عارفوں کی ہر دعا بعینہٖ قبول نہیں ہوتی۔

ہمارے دوستوں کو بعض وقت دعا کے متعلق ابتلا پیش آ جاتے ہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوا ہے کہ ان کو دعا کی حقیقت سے اطلاع دی جاوے اور اسی لئے میں نے حقیقت الدعا کے نام سے ایک رسالہ لکھنا شروع کیا ہے مگر چونکہ طبیعت علیل رہی ہے اس لئے ختم نہیں کر سکا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام مدار دعا پر ہی تھا۔ اور ہر ایک مشکل میں آپ دعا ہی کرتے تھے۔ ایک روایت سے ثابت ہے کہ آپ کے گیارہ لڑکے فوت ہو گئے ہیں۔ تو کیا آپ نے ان کے حق میں دعا نہ کی ہو گی؟ آج کل ایک غلط فہمی لوگوں کے دلوں میں پڑ گئی ہے اور یہ اس جہالت کے زمانہ کی نشانی ہے کہ اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ فلاں

ولی کی ایک پھونک مارنے سے صاحب کمال ہوگیا۔ اور فلاں کے ہاتھ سے مُردے زندہ ہوئے۔

" یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ خیال کہ مقبولین کی ہر ایک دعا قبول ہو جاتی ہے۔ یہ سراسر غلط ہے۔ بلکہ حق بات یہ ہے کہ مقبولین کے ساتھ خدا تعالیٰ کا دوستانہ معاملہ ہے۔ کبھی وہ ان کی دعائیں قبول کر لیتا ہے اور کبھی وہ اپنی مشیّت ان سے منوانا چاہتا ہے۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ دوستی میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ بعض وقت ایک دوست اپنے دوست کی بات کو مانتا ہے۔ اور اس کی مرضی کے موافق کام کرتا ہے اور پھر دوسرا وقت ایسا بھی آتا ہے کہ اپنی بات اُس سے منوانا چاہتا ہے۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اشارہ فرماتا ہے۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ یعنی تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کرونگا اور دوسری جگہ اپنی نازل کردہ قضاء و قدر پر خوش اور راضی رہنے کی تعلیم کرتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔ وَ لَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَةٌ۔ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ پس ان دونوں

انام ص ۲۹۹ تا ص ۳۰۱

آیتوں کو ایک جگہ پڑھنے سے صاف معلوم ہو جائے گا کہ دعاؤں کے بارے میں کیا سنت اللہ ہے اور رب اور عبد کا کیا باہمی تعلق ہے۔[1]

بعض نادان یہ اعتراض بار بار پیش کرتے ہیں کہ محبوبانِ الٰہی کی یہ علامت ہے کہ ہر ایک دُعا اُن کی سُنی جاتی ہے۔ اور جس میں یہ علامت نہیں پائی جاتی۔ وہ محبوبان الٰہی میں سے نہیں ہیں۔

مگر افسوس کہ یہ لوگ منہ سے تو ایک بات نکال دیتے ہیں۔ مگر اعتراض کرنیکے وقت یہ نہیں سوچتے کہ ایسے جاہلانہ اعتراض خدا تعالیٰ کے تمام نبیوں اور رسولوں پر وارد ہوتے ہیں۔ مثلاً ہر ایک نبی کی یہ مراد تھی کہ تمام کفار ان کے زمانہ کے جو ان کی مخالفت پر کھڑے تھے مسلمان ہو جائیں۔ مگر یہ مراد ان کی پوری نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ یعنی کیا تو اس غم سے اپنے تئیں ہلاک کر دے گا۔ کہ یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے ایمان لانے کے لئے اس قدر جانکاہی اور سوز و گداز سے دعا کرتے تھے کہ اندیشہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس غم سے خود ہلاک نہ ہو جائیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ ان لوگوں کے لئے

---

[1] حقیقۃ الوحی صـ ۲۰-۲۱

اس قدر غم نہ کر۔ اور اس قدر اپنے دل کو دردوں کا نشانہ مت بنا۔ کیونکہ یہ لوگ ایمان لانے سے لاپرواہ ہیں۔ اور ان کے اغراض و مقاصد اور ہیں۔[۱]

"یاد رہے کہ مومن کے ساتھ خدا تعالیٰ دوستانہ معاملہ کرتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ کبھی تو وہ مومن کے ارادہ کو پورا کرے اور کبھی مومن اس کے ارادہ پر راضی ہو جائے۔ پس ایک جگہ تو مومن کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔ اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ یعنی دعا کرو کہ میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ اس جگہ تو مومن کی خواہش پوری کرنا چاہتا ہے۔ اور دوسری جگہ اپنی خواہش مومن سے منوانا چاہتا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ وَ لنبلونکم بشیءٍ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون افسوس کہ نادان آدمی صرف ایک پہلو کو دیکھتا ہے۔ اور دونوں پہلوؤں پر نظر نہیں ڈالتا۔"[۲]

قضا و قدر کا دعا کے ساتھ بہت بڑا تعلق ہے۔ دعا کے ساتھ معلق تقدیر ٹل جاتی ہے۔ جب مشکلات پیدا ہوتے ہیں۔ تو دعا ضرور اثر کرتی ہے۔ جو لوگ دعا سے منکر ہیں ان کو ایک دھوکا لگا ہوا ہے۔ قرآن شریف

---

[۱] براہین احمدیہ پنجم صفحہ ۲۲۵، ۲۲۶ ؛ [۲] حاشیہ براہین احمدیہ پنجم صفحہ ۲۲۶

نے دُعا کے دو پہلو بیان کئے ہیں۔ ایک پہلو میں اللہ تعالیٰ اپنی منوانا چاہتا ہے۔ اور دوسرے پہلو میں بندے کی مان لیتا ہے۔ ولنبلونکم بشئی من الخوف والجوع میں تو اپنا حق رکھ کہ منوانا چاہتا ہے۔ نون ثقیلہ کے ذریعہ کے جو اظہار کیا گیا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء ہے کہ قضائے مبرم کو ظاہر کریں گے۔ تو اس کا علاج اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہی ہے۔ اور دوسرا وقت خدا تعالیٰ کے فضل وکرم کی امواج کے جوش کا ہے وہ ادعونی استجب لکم میں ظاہر کیا ہے .... الغرض دعا کی اس تقسیم کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ کبھی اللہ تعالیٰ اپنی منوانا چاہتا ہے۔ اور کبھی وہ مان لیتا یہ معاملہ گویا دوستانہ معاملہ ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسی عظیم الشان قبولیت دعاؤں کی ہے۔ اس کے مقابل رضا اور تسلیم کے بھی آپ اعلیٰ درجہ کے مقام پر ہیں۔ چنانچہ آپ کے گیارہ بچے مر گئے۔ مگر آپ نے کبھی سوال نہ کیا کہ کیوں؟ جو لوگ فقراء اور اہل اللہ کے پاس آتے ہیں۔ اکثر ان میں سے محض آزمائش اور امتحان کیلئے آتے ہیں وہ دعا کی حقیقت سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ اس لئے پورا فائدہ نہیں ہوتا۔ عقلمند انسان اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ اگر دعا نہ ہوتی تو اہل اللہ مر جاتے۔ جو لوگ دعا کے منافع سے محروم ہیں۔ ان کو

دھوکا ہی لگا ہوا ہے کہ وہ دعا کی تقسیم سے ناواقف ہیں۔

میرا جب سب سے پہلا لڑکا فوت ہوا۔ تو اس کو ایک سخت غشی کی حالت تھی گھر میں اس کی والدہ نے جب دیکھا کہ حالت نازک ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ تو امید نہیں۔ اب جانبر ہو۔ میں اپنی نماز کیوں ضائع کروں۔ چنانچہ وہ نماز میں مصروف ہو گئے۔ اور جب نماز سے فارغ ہو کر مجھ سے پوچھا تو اس وقت چونکہ انتقال ہو چکا تھا۔ میں نے کہا کہ لڑکا مر گیا ہے۔ انہوں نے پورے صبر اور رضا کے ساتھ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا۔ خدا جس امر میں نامراد کرتا ہے اس نامرادی پر صبر کرنے والوں کو ضائع نہیں کرتا۔ اسی صبر کا نتیجہ ہے کہ خدا نے ایک کی بجائے چار لڑکے عطا فرمائے۔ الغرض دعا بڑی دولت ہے۔ بے صبر ہو کر دعا نہ کرے بلکہ دعاؤں میں لگا رہے۔ یہاں تک وہ وقت آجا دے۔"

"مجھے بارہا افسوس آتا ہے۔ جب لوگ دعا کے لئے خطوط بھیجتے ہیں اور ساتھ ہی لکھ دیتے ہیں کہ اگر دعا قبول نہ ہوئی۔ تو ہم جھوٹا سمجھ لیں گے آہ یہ لوگ آداب دعا سے کیسے بے خبر ہیں۔ نہیں جانتے کہ دعا کرنے والے اور کرانے والے کے لئے کیسی شرائط ہیں۔ اس سے کہ

دعا کی جاوے یہ بدظنی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے ماننے کا احسان جتانا چاہتے ہیں۔ اور نہ ماننے اور تکذیب کی دھمکی دیتے ہیں۔ ایسا خط پڑھ کر مجھے بدبو آجاتی ہے۔ اور مجھے خیال آتا ہے کہ اس سے بہتر تھا کہ یہ دعا کے لئے خط نہ لکھتے۔

میں نے کئی بار اس مسئلہ کو بیان کیا ہے۔ اور پھر مختصر طور پر سمجھاتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے دوستانہ معاملہ کرنا چاہتا ہے۔ دوستوں میں ایک سلسلہ تبادلہ کا رہتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے بندہ میں بھی اسی رنگ کا ایک سلسلہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تبادلہ یہ ہے۔ کہ جیسے وہ اپنے بندے کی ہزارہا دعاؤں کو سنتا اور مانتا ہے۔ اس کے عیبوں پر پردہ پوشی کرتا ہے۔ باوجودیکہ وہ ایک ذلیل سے ذلیل ہستی ہے۔ لیکن اس پر فضل و رحم کرتا ہے۔ اسی طرح اس کا حق ہے کہ یہ خدا کی بھی مان لے۔ یعنی اگر کسی دعا میں اپنے منشا اور مراد کے موافق ناکام رہے۔ تو خدا پر بدظن نہ ہو۔ بلکہ اپنی نامرادی کو کسی غلطی کا نتیجہ قرار دے کر اللہ کی رضا پر انشراح صدر کے ساتھ راضی ہو جاوے اور سمجھ لے کہ میرا مولیٰ یہی چاہتا ہے۔[1]

مقبولوں کا بڑا معجزہ قبولیتِ دعا ہے | یہ بالکل سچ ہے کہ مقبولین کی اکثر دعائیں منظور ہوتی ہیں۔ بلکہ بڑا معجزہ ان کا

[1] ملفوظات جلد ۵ صفحہ ۱۹۵/۱۹۶

استجابت دُعا ہی ہے۔ جب ان کے دلوں میں کسی مصیبت کے وقت شدت سے بے قراری ہوتی ہے۔ اور اس شدید بے قراری کی حالت میں وہ اپنے خدا کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ تو خدا ان کی سنتا ہے۔ اور اس وقت اُن کا ہاتھ گویا خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔ خدا ایک مخفی خزانہ کی طرح ہے۔ کامل مقبولوں کے ذریعہ سے وہ اپنا چہرہ دکھلاتا ہے۔ خدا کے نشان تبھی ظاہر ہوتے ہیں۔ جب اس کے مقبول ستائے جاتے ہیں اور جب حد سے زیادہ ان کو دکھ دیا جاتا ہے تو سمجھو کہ خدا کا نشان نزدیک ہے۔ بلکہ دروازہ پر۔ کیونکہ یہ وہ قوم ہے کہ کوئی اپنے پیارے بیٹے سے ایسی محبت نہیں کرے گا۔ جیسا کہ خدا ان لوگوں سے کرتا ہے جو دل وجان سے اس کے ہو جاتے ہیں۔ وہ ان کے لئے عجائب کام دکھلاتا ہے۔ اور ایسی اپنی قوت دکھلاتا ہے کہ جیسا ایک سوتا ہوا بشر جاگ اُٹھتا ہے۔ خدا مخفی ہے۔ اور اس کے ظاہر کرنے والے یہی لوگ ہیں۔ وہ ہزاروں پردوں کے اندر ہے۔ اور اس کا چہرہ دکھلانے والی یہی قوم ہے [1]

مصائب و شدائد مقبولیت دُعا کا وقت ہے	ہر ایک صادق کا تجربہ ہے کہ بے قراری اور مظلومانہ حالت کی

[1] حقیقۃ الوحی صـ ۲۰

دُعا قبول ہوتی ہے۔ بلکہ صادق کے لئے مصیبت کا وقت نشان ظاہر کرنے کا وقت ہوتا ہے"۔ [له]

"ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وہ تہجّد کی نماز کو لازم کر لیں۔ جو زیادہ نہیں۔ وہ دوؔ ہی رکعت پڑھ لے۔ کیونکہ اس کو دعا کرنے کا موقع بہرحال مل جائے گا۔ اس وقت کی دعاؤں میں ایک خاص تاثیر ہوتی ہے کیونکہ وہ سچے درد اور جوش سے نکلتی ہیں۔ جب تک ایک خاص سوز اور درد دِل میں نہ ہو۔ اس وقت تک ایک شخص خواب راحت سے بیدار کب ہو سکتا ہے۔ پس اس وقت کا اٹھنا بھی ایک دردِ دل پیدا کر دیتا ہے جس سے دعا میں رقّت اور اضطراب کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی اضطراب اور اضطرار قبولیّت دُعا کا موجب ہو جاتے ہیں"۔ [ٹه]

"وہی دُعا مفید ہوتی ہے۔ جب کہ دل خدا کے آگے پگھل جاوے اور خدا کے سوا کوئی مفر نظر نہ آوے۔ جو خدا کی طرف بھاگتا ہے۔ اور اضطرار کے ساتھ امن کا جویا ہوتا ہے۔ وہ آخر بچ جاتا ہے"۔ [سه]

دعاؤں کے دوران ابتلا آنے میں حکمت

دعا اور اس کی قبولیّت کے زمانہ درمیانی اوقات میں بسا اوقات ابتلاء پر ابتلاء آتے ہیں۔ اور ایسے ایسے ابتلاء بھی آجاتے ہیں جو کمر

له مسیح ہندوستان میں صفحہ ۳۲ ٭ ٹه م ۳ صفحہ ۴۵ ٭ سه م ۳ صفحہ ۲۴۶ ٭

توڑ دیتے ہیں۔ مگر مستقل مزاج سعید الفطرت ان ابتلاؤں اور مشکلات میں بھی اپنے رب کی عنایتوں کی خوشبو سونگھتا ہے۔ اور فراست کی نظر سے دیکھتا ہے کہ اس کے بعد نصرت آتی ہے۔ ان ابتلاؤں کے آنے میں ایک سِر یہ بھی ہوتا ہے۔ کہ دُعا کے لئے جوش بڑھتا ہے۔ کیونکہ جس قدر اضطرار اور اضطراب بڑھتا جاوے گا۔ اُسی قدر روح میں گدازش ہوتی جائے گی۔ اور یہ دعا کی قبولیت کے اسباب میں سے ہیں۔ پس کبھی گھبرانا نہیں چاہیئے۔ اور بے صبری اور بے قراری سے اپنے اللہ پر بدظن نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ کبھی بھی خیال کرنا نہ چاہیئے۔ کہ میری دُعا قبول نہ ہوگی یا نہیں ہوتی۔ ایسا وہم اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے انکار ہو جاتا ہے کہ وہ دعائیں کرتا ہے۔[1]

ہر مضطر کی دعا قبول نہیں ہوتی

"کلام الٰہی میں لفظ مُضطر سے وہ ضرر یافتہ مراد ہیں۔ جو محض ابتلاء کے طور پر ضرر یافتہ ہوں۔ نہ سزا کے طور پر۔ لیکن جو لوگ سزا کے طور پر کسی ضرر کے تختہ مشق ہوں وہ اس آیت کے مصداق نہیں ہیں۔ ورنہ لازم آتا ہے کہ قوم نوح اور قوم لوط اور قوم فرعون وغیرہ کی دعائیں اس اضطرار کے وقت میں قبول کی جاتیں۔ مگر ایسا نہیں ہوا اور خدا کے ہاتھ نے ان قوموں کو

---

[1] ل، ج ۳ ص۳۳۵:

ہلاک کر دیا......ان کے......یہ آیت مناسب حال ہے کہ
وَمَا دُعَاءُ الْکَافِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلَالٍ ۔ ؎

خداتعالیٰ کے آگے کوئی بات انہونی نہیں مگر وہی جو اس کی کتاب اور وعدہ کے برخلاف ہو

کیا ہی قادر اور قیوم خدا ہے ۔ جس کو ہم نے پایا ۔ کیا ہی زبردست قدرتوں کا مالک ہے ۔ جس کو ہم نے دیکھا ۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں ۔ مگر وہی جو اس کی کتاب اور وعدہ کے برخلاف ہے ۔ سو جب تم دعا کرو ۔ تو اُن جاہل نیچریوں کی طرح نہ کرو ۔ جو اپنے ہی خیال سے ایک قانونِ قدرت بنا بیٹھے ہیں ۔ جس پر خدا کی کتاب کی مہر نہیں ۔ کیونکہ وہ مردود ہیں ۔ اُن کی دعائیں ہرگز قبول نہیں ہوں گی ۔ وہ اندھے ہیں ۔ نہ سوجاکھے وہ مُردے ہیں ۔ نہ زندے..... لیکن جب تو دعا کے لئے کھڑا ہو تو تجھے لازم ہے کہ یہ یقین رکھے ۔ کہ تیرا خدا ہر ایک چیز پر قادر ہے ۔ تب تیری دعا منظور ہو گی ۔ اور تو خدا کی قدرت کے عجائبات دیکھے گا ۔ جو ہم نے دیکھے ۔ اور ہماری گواہی رویت سے ہے ۔ نہ بطور قصہ کے اس شخص کی دعا کیونکر منظور ہو اور خود کیونکر اس کو بڑی مشکلات کے وقت جو اس کے نزدیک قانونِ قدرت کے

؎ دافع البلاء صفحہ $\frac{۲۳}{۲۴}$

مخالف ہیں دُعا کرنے کا جو صلہ پڑے۔ جو خدا کو ہر ایک چیز پر قادر نہیں سمجھتا۔ مگر اے سعید انسان تو اِلسامت کر۔[1]

کوئی دُعا ردّ نہیں ہوتی

میرے نزدیک خدا تعالیٰ کا خوف اور خشیّت ایسی چیز ہے۔ جو انسان کی گناہ کی زندگی پر موت وارد کرتی ہے۔ جب سچا خوف دل میں پیدا ہوتا ہے تو پھر دعا کے لئے تحریک ہوتی ہے اور دُعا وہ چیز ہے۔ جو انسان کی کمزوریوں کا جبر کرتی ہے۔ اس لئے دعا کرنی چاہیئے۔ خدا تعالیٰ کا وعدہ بھی ہے۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ بعض وقت انسان کو ایک دھوکا لگتا ہے کہ وہ، عرصہ دراز تک اس مطلب کے لئے دُعا کرتا ہے۔ اور وہ مطلب پورا نہیں ہوتا۔ تب وہ گھبرا جاتا ہے۔ حالانکہ گھبرانا نہ چاہیئے بلکہ طلبگار باید صبور وحمول۔ دعا تو قبول ہو جاتی ہے۔ لیکن انسان کو بعض دفعہ پتہ نہیں لگتا۔ کیونکہ وہ اپنی دعا کے انجام اور نتائج سے آگاہ نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ جو عالم الغیب ہے۔ اس کے لئے وہ کرتا ہے جو مفید ہوتا ہے۔ اس لئے نادان انسان یہ خیال کر لیتا ہے کہ میری دعا قبول نہیں ہوئی۔ حالانکہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے علم میں یہی مفید تھا کہ وہ دعا اس طرح پر قبول نہ ہو۔ بلکہ کسی اور رنگ میں ہو۔ اس

---

[1] کشتی نوح صہ

کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک بچہ اپنی ماں سے آگ کا سُرخ انگار دیکھ کر مانگے تو کیا دانشمند ماں اُسے دے دے گی ؟ کبھی نہیں۔ اسی طرح پر دعا کے متعلق بھی ہوتا ہے۔ غرض دعائیں کرنے سے کبھی تھکنا نہیں چاہیے دعا ہی ایسی چیز ہے جو خدا کی طرف سے ایک قوت اور نور عطا کرتی ہے جس سے انسان بدی پر غالب آجاتا ہے" لے

"کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان ایک امر کے لیے دعا کرتا ہے مگر وہ دعا اس کی ناواقفی اور نادانی کا نتیجہ ہوتی ہے یعنی ایسا امر خدا تعالیٰ سے چاہتا ہے۔ جو اس کے لئے کسی صورت سے مفید اور نافع نہیں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو تو رد نہیں کرتا۔ لیکن کسی اور صورت میں پورا کر دیتا ہے۔ مثلاً ایک زمیندار جس کو ہل چلانے کے لئے بیل کی ضرورت ہے۔ وہ بادشاہ سے جا کر ایک اونٹ کا سوال کرے اور بادشاہ جانتا ہے کہ اس کو دراصل بیل دینا مفید ہو گا اور وہ حکم دے دے کہ اس کو ایک بیل دے دو۔ وہ زمیندار اپنی بے وقوفی سے کہہ دے کہ میری درخواست منظور نہیں ہوئی۔ تو اس کی حماقت اور نادانی ہے۔ لیکن اگر وہ غور کرے۔ تو اس کے لئے یہی بہتر تھا۔ اس طرح پر اگر ایک بچہ آگ کے سُرخ انگارے دیکھ کر ماں سے

لے م ۳ ص ۵۳

مانگے تو کیا مہربان اور شفیق ماں یہ پسند کرے گی کہ اس کو آگ کے انگارے دے دے۔ بغرض بعض اوقات دعا کی قبولیت کے متعلق ایسے امور بھی پیش آجاتے ہیں۔ جو لوگ بے صبری اور بدظنی سے کام لیتے ہیں۔ وہ اپنی دعا کو رد کرا لیتے ہیں۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کی قبولیت کے زمانہ میں اور بھی درازی ہو جاتی ہے۔ بنی اسرائیل اسی وجہ سے چالیس برس تک ارض مقدس میں داخل ہونے سے محروم ہو گئے۔ ذرا ذرا سی بات پر شوخیوں سے کام لیتے تھے۔[1]

"دعاؤں کی قبولیت کا فیض ان لوگوں کو ملتا ہے۔ جو متقی ہوتے ہیں اب میں بتاؤں گا کہ متقی کون ہوتے ہیں۔ مگر ابھی میں ایک اور شبہ کا ازالہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ بعض لوگ جو متقی ہوتے ہیں بظاہر ان کی بعض دعائیں اُن کے حسب منشا پوری نہیں ہوتی ہیں یہ کیوں ہوتا ہے؟ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ان لوگوں کی کوئی دعا درحقیقت ضائع نہیں جاتی۔ لیکن چونکہ انسان عالم الغیب نہیں ہے اور وہ نہیں جانتا کہ اس دعا کے نتائج اس کے حق میں کیا اثر پیدا کرنے والے ہیں پس اللہ تعالیٰ کمال شفقت اور مہربانی سے اس دعا کو اپنے بندہ کے لئے اس صورت میں منتقل کر دیتا ہے۔ جو اس کے واسطے مفید اور نتیجہ خیز ہوتی ہے۔ جیسے

---

[1] ۵ ہم ص $\frac{۳۳۵}{۳۳۶}$ ؛

ایک نادان بچہ سانپ کو ایک خوبصورت اور نرم شئے سمجھ پکڑنے کی جرأت کرے یا آگ کو روشن دیکھ کر اپنی ماں سے مانگ بیٹھے تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ماں خواہ وہ کیسی ہی نادان سے نادان بھی کیوں نہ ہو۔ کبھی پسند کرے گی کہ اس کا بچہ سانپ پکڑ لے یا اپنی خواہش کے موافق آگ کا ایک روشن کوئلہ اس کے ہاتھ پر رکھ دے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ وہ جانتی ہے کہ یہ اس کی زندگی کو گزند پہنچائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ جو عالم الغیب اور عالم الکل ہے۔ اور مہربان ماں سے بھی زیادہ رحیم کریم ہے اور ماں کے دل میں بھی یہ رافت اور محبت اُسی نے ڈالی ہے۔ وہ کیوں کر گوارا کر سکتا ہے کہ اگر اس کا عزیز بندہ اپنی کمزوری اور غلطی اور ناواقفی کی وجہ سے کسی ایسی چیز کے لئے دعا کر بیٹھے جو اس کے حق میں مضرت بخش ہے۔ تو وہ اس کو فی الفور منظور کرے۔ نہیں بلکہ وہ اس کو رد کر دیتا ہے اور اس کے بجائے اس سے بھی بہتر اس کو عطا کرتا ہے۔ اور وہ یقیناً سمجھ لیتا ہے کہ یہ میری فلاں دعا کا اثر اور نتیجہ ہے ..... غرض یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ متقیوں کی بھی بعض دعا قبول نہیں ہوتی۔ نہیں ان کی تو ہر دعا قبول ہوتی ہے۔ ہاں اگر وہ اپنی کمزوری اور نادانی کی وجہ سے کوئی ایسی دعا کر بیٹھیں۔ جو ان کے لئے عمدہ نتائج پیدا کرنے والی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس دعا کے بدلہ میں انکو وہ چیز عطا کرتا ہے جو انکی شئی مطلوبہ کا نعم البدل ہو۔[۱]

---

[۱] الحکم ۱۹ ؍ ۱۹۰۵ء

میرا صد ہا مرتبہ کا تجربہ ہے کہ خدا ایسا کریم و رحیم ہے کہ جب اپنی مصلحت سے ایک دعا کو منظور نہیں کرتا۔ تو اس کے عوض میں کوئی اور دعا منظور کر لیتا ہے جو اس کے مثل ہوتی ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِھَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْھَا اَوْ مِثْلِھَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[۲] ۵ لے

دُعا سے منکر ہونے کی وجوہات اور انجام

دعا سے انکار در پردہ رحیمیت کی طرف ایک حرکت ہے	حضور سورہ فاتحہ کی صفات اربعہ کی تشریح کرتے ہوئے

فرماتے ہیں کہ:۔

"اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی یہ چار صفتیں ہیں۔ جو قرآنی تعلیم اور تحقیق عقل سے ثابت ہوتی ہیں اور منجملہ ان کے رحیمیت کی صفت ہے۔ جو تقاضا کرتی ہے کہ کوئی انسان دعا کرے تا اس دعا پر فیوض الٰہی نازل ہوں۔ ہم نے براہین احمدیہ اور کرامات الصادقین میں بھی یہ ذکر لکھا ہے کہ کیونکہ یہ چاروں صفتیں لف و نشر مرتب کے طور پر سورۂ فاتحہ میں بیان

۵لے حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۶۶؂

کی گئی ہیں۔ اور کیوں کہ صحیفۂ فطرت پر نظر ڈال کر ثابت ہوتا ہے کہ اسی ترتیب سے جو سورۂ فاتحہ میں ہے یہ چاروں صفتیں خدا کی فعلی کتاب قانونِ قدرت میں پائی جاتی ہیں۔ اب دُعا سے انکار کرنا یا اس کو بے سود سمجھنا یا جذب فیوض کے لئے اس کو ایک محرک قرار نہ دینا گویا خدا تعالیٰ کی تیسری صفت سے جو رحیمیت ہے انکار کرنا ہے۔ بلکہ یہ انکار در پردہ دہریت کی طرف ایک حرکت ہے۔ کیونکہ رحیمیت ہی ایک ایسی صفت ہے جس کے ذریعہ سے باقی تمام صفات پر یقین بڑھتا اور کمال تک پہنچتا ہے۔ وجہ یہ کہ جب ہم خدا تعالیٰ کی رحیمیت کے ذریعہ سے اپنی دعاؤں اور تضرعات پر الٰہی فیضوں کو پاتے ہیں۔ اور ہر ایک قسم کی مشکلات حل ہوتی ہیں۔ تو ہمارا ایمان خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کی قدرت اور رحمت اور دوسری صفات کی نسبت بھی حق الیقین تک پہنچتا ہے۔ اور ہمیں چشم دید ماجرا کی طرح سمجھ آجاتا ہے کہ خدا تعالیٰ درحقیقت حمد اور شکر کا مستحق ہے اور درحقیقت اس کی ربوبیّت اور رحمانیّت اور دوسری صفات سب درست اور صحیح ہیں۔ لیکن بغیر رحیمیت کے ثبوت کے دوسری صفات بھی مشتبہ ہو جاتی ہیں۔[1]

جو خدا کی آواز پر توجہ نہیں کرتا وہ تباہ ہوگا	جو شخص دعا نہیں کرتا وہ سوائے اس کے کہ ہلاکت کے نزدیک

[1] ایام الصلح صفحہ ۱۵، ۱۶

جاتا ہے اور کیا ہے۔ ایک حاکم ہے جو بار بار اس امر کی ندا کرتا ہے کہ میں دکھیاروں کا دکھ اٹھاتا ہوں مشکل والوں کی مشکل حل کرتا ہوں۔ میں بہت رحم کرتا ہوں بیکسوں کی امداد کرتا ہوں۔ لیکن ایک شخص جو مشکل میں مبتلا ہے۔ اس کے پاس سے گذرتا ہے اور اس کی ندا کی پروا نہیں کرتا۔ نہ اپنی مشکل کا بیان کرکے طلب امداد کرتا ہے۔ تو سوائے اس کے کہ وہ تباہ ہو اور کیا ہوگا یہی حال خدا تعالیٰ کا ہے کہ وہ تو ہر وقت انسان کو آرام دینے کے لئے تیار ہے بشرطیکہ کوئی اس سے درخواست کرے لہ

دعا سے منکر ہونے کی وجہ

دعا کی قبولیت کا بھی یہی راز ہے۔ انسان جب تک اپنی خواہشات، ارادوں اور علموں کو ترک کرکے خدا میں فنا نہ ہو جاوے اور خدا کی قدرت کاملہ اور قادر مطلق ہونے اور سننے اور قبول کرنے والا ہونے پر یقین کامل اور پورا وثوق نہ رکھتا ہو تب تک دعا بھی ایک بے حقیقت چیز ہے۔ فلسفیوں کو کیوں قبولیت دعا پر ایمان نہیں ہوتا۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ اُن کو خدا کی وسیع قدرت اور باریک در باریک سامانوں کے پیدا کر دینے والا ہونے پر ایمان نہیں ہوتا . . . . . . اور وہ خدا کی قدرت کو محدود جانتے ہیں۔ اور اپنے تجارب اور علوم پر بھی بھروسہ کر بیٹھتے ہیں۔ ان کو اپنے تجارب

لہ م صٹ

کے مقابلہ میں یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ خدا بھی ہے اور وہ بھی کچھ کر سکتا ہے۔[1]

دعا سے منکر ہونے کی وجہ حقیقت دعا سے ناواقفیت ہے

بڑی مشکل یہ ہے کہ لوگ دعا کی حقیقت اور حالت سے محض ناواقف ہیں اور اسی وجہ سے اس زمانہ میں بہت سے لوگ اس سے منکر ہو گئے ہیں۔ کیونکہ وہ اُن تاثیرات کو نہیں پاتے اور منکر ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہونا ہے وہ تو ہونا ہی ہے، پھر دعا کی کیا حاجت ہے۔ مگر میں خوب جانتا ہوں کہ یہ نرا بہانہ ہے، انہیں چونکہ دعا کا تجربہ نہیں۔ اس کی تاثیرات پر اطلاع نہیں۔ اس لئے اس طرح کہہ دیتے ہیں۔ ورنہ اگر وہ ایسے ہی متوکل ہیں۔ تو پھر بیمار ہو کر علاج کیوں کرتے ہیں۔ خطرناک امراض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ تو طبیب کی طرف دوڑتے جاتے ہیں۔ بلکہ میں سچ کہتا ہوں کہ سب سے زیادہ چارہ کرنے والے یہی ہوتے ہیں۔

سید احمد خان بھی دعا کے منکر تھے۔ لیکن جب ان کا پیشاب بند ہوا تو دہلی سے معالج ڈاکٹر کو بلایا یہ نہ سمجھ لیا کہ خود بخود ہی پیشاب کھل جاوے گا۔ حالانکہ وہی خدا ہے۔ جس کے ملکوت میں ظاہری دنیا ہے۔ جب کہ دوسری اشیاء میں تاثیرات موجود ہیں تو کیا وجہ ہے کہ باطنی دنیا

---

[1] ملفوظات جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۵-۱۹۶

میں تاثیرات نہ ہوں۔ جن میں سے دعا ایک زبردست چیز ہے۔ یہ سچ ہے کہ خدا تعالےٰ کے قضاو قدر میں سب کچھ ہے۔ مگر کوئی یہ تو بتائے کہ خدا تعالےٰ نے وہ فہرست کس کو دی ہے۔ جس سے معلوم ہو جاوے۔ میں سچ کہتا ہوں۔ کہ ان اسرار پر کوئی فتح نہیں پا سکتا۔ ظاہر میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص قبض سے بیمار ہے تو تربد یا کسٹرائیل جب اس کو دیا جاوے گا تو اسے اسہال آجاویں گے۔ اور قبض کھل جائے گی۔ کیا یہ اس امر کا بیّن ثبوت نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ نے تاثیرات رکھی ہوئی ہیں...... پھر جب کہ ان چیز دل میں تاثیرات موجود ہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ دعاؤں میں جو وہ بھی مخفی اسباب اور تدابیر ہیں اثر نہ ہو؟ اثر ہیں اور ضرور ہیں۔ لیکن تھوڑے لوگ ہیں۔ جو ان تاثیرات سے واقف اور آشنا ہیں اس لیے انکار کر بیٹھتے ہیں۔[1]

سلسلہ بیعت میں داخل ہونیوالوں کیلئے سب سے بڑا فائدہ

جو لوگ اس سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں ان کو سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ میں ان کے لیئے دعا کرتا ہوں

دُعا ایسی چیز ہے کہ خشک لکڑی کو بھی سرسبز کر سکتی ہے اور مردہ کو زندہ کر سکتی ہے اس میں بڑی تاثیریں ہیں جہاں تک قضاو قدر کے سلسلہ کو اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔ کوئی کیسا ہی معصیت میں غرق ہو دعا اسکو بچالے گی

[1] ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۲۶۳ تا ۲۶۴

اللہ تعالیٰ اس کی دستگیری کرے گا۔ اور وہ خود محسوس کرے گا۔ کہ میں اب اور ہوں۔ دیکھو جو شخص مسموم ہے کیا وہ اپنا علاج آپ کر سکتا ہے۔ اس کا علاج تو دوسرا ہی کرے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے تطہیر کے لئے یہ سلسلہ قائم کیا ہے۔ اور مامور کی دعائیں تطہیر کا بہت بڑا ذریعہ ہوتی ہیں۔ دُعا کرنا اور کرانا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ دُعا کے لئے جب درد سے دل بھر جاتا ہے اور سارے حجابوں کو توڑ دیتا ہے اس وقت سمجھنا چاہیے کہ دُعا قبول ہو گئی۔ یہ اسم اعظم ہے اس کے سامنے کوئی اَنہونی چیز نہیں ہے۔ ایک خبیث کے لئے سبب دعا کے ایسے اسباب میسّر آجائیں۔ تو یقیناً وہ صالح ہو جاوے۔ اور بغیر دُعا کے وہ اپنی توبہ پر بھی قائم نہیں رہ سکتا ہے۔ بیمار اور محجوب اپنی دستگیری آپ نہیں کر سکتا۔ سنت اللہ کے موافق یہی ہوتا ہے کہ جب دعائیں انتہا تک پہنچتی ہیں تو ایک شعلہ نور کا اس کے دل پر گرتا ہے جو اس کی خیانتوں کو جلا کر تاریکی دُور کر دیتا ہے اور اندر ایک روشنی پیدا کر دیتا ہے۔ یہ طریق استجابت دعا کا رکھتا ہے اور

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں کا حقدار کون ہے؟	جو حالت میری توجہ کو جذب کرتی ہے اور جسے دیکھ کر میں دعا کے لئے اپنے اندر تحریک پاتا ہوں۔ وہ ایک ہی بات ہے

ملفوظات جلد ۵ صفحہ ۱۲۱ - ۱۲۲

کہ میں کسی شخص کی نسبت معلوم کروں کہ یہ خدمت دین کا سزاوار ہے۔ اور اس کا وجود خداتعالیٰ کے لئے، خدا کے رسول کے لئے۔ خدا کی کتاب کے لئے اور خدا کے بندوں کے لئے نافع ہے۔ ایسے شخص کو جو درد و الم پہنچے۔ وہ درحقیقت مجھے پہنچتا ہے"[1]

اگر کوئی تائید دین کے لئے ایک لفظ نکال کر ہمیں دے دے تو ہمیں موتیوں اور اشرفیوں کی جھولی سے بھی زیادہ بیش قیمت معلوم ہوتا ہے۔ جو شخص چاہے کہ ہم اس سے پیار کریں اور ہماری دعائیں نیازمندی اور سوز سے اس کے حق میں آسمان ہو جائیں وہ ہمیں اس بات کا یقین دلادے کہ وہ خادم دین ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے"[2]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا طریقِ دعا فرماتے ہیں:۔

"میں التزاماً چند دعائیں ہر روز مانگا کرتا ہوں۔

اوّل:۔ اپنے نفس کے لئے دعا مانگتا ہوں کہ خدا مجھ سے وہ کام لے جس سے اس کی عزت و جلال ظاہر ہو۔ اور اپنی رضا کی پوری توفیق عطا کرے۔

دوم:۔ پھر اپنے گھر کے لوگوں کے لئے دعا مانگتا ہوں کہ ان سے قرۃ عین اولاد عطا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات کی راہ پر چلیں۔

---

[1] م ۱ ص ۳۲۴ ؛ [2] م ۳ ص ۷ ؛

سوئم۔ پھر اپنے بچوں کیلیئے دعا مانگتا ہوں کہ یہ سب دین کے خادم بنیں۔

چہارم:۔ اپنے مخلص دوستوں کے نام بنام۔

پنجم:۔ اور پھر ان کے لئے جو اس سلسلہ سے وابستہ ہیں۔ خواہ ہم انہیں جانتے ہیں یا نہیں جانتے۔" [1]

"جو خط آتا ہے میں اسے پڑھ کر اس وقت تک ہاتھ سے نہیں دیتا جب تک دعا نہ کروں کہ شاید موقعہ ملے یا یاد نہ رہے۔" [2]

مسیح اوّل اور مسیح آخر کی دعاؤں میں فرق

حضرت مسیح نے جب دیکھا کہ صلیب کا واقعہ ٹلنے والا نہیں تو ان کو اس امر کا بہت ہی خیال ہوا کہ یہ موت لعنتی موت ہوگی۔ پس اس موت سے بچنے کے لئے انہوں نے بڑی دعا کی دل بریاں اور چشم گریاں سے انہوں نے دعا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ آخر وہ دعا قبول ہوگی۔ چنانچہ لکھا ہے۔ فَسُمِعَ لِتَقْوَاہُ ہم کہتے ہیں کہ جیسے پہلے مسیح کی دعا سنی گئی۔ ہماری بھی سنی جاویگی مگر ہماری دعا اور مسیح کی دعا میں فرق ہے۔ اس کی دعا اپنی موت سے بچنے کے لئے تھی۔ اور ہماری دعا دنیا کو موت سے بچانے کے لئے۔ ہماری غرض اس دعا سے اعلائے کلمۃ الاسلام ہے۔ احادیث میں بھی آیا ہے کہ آخر مسیح ہی کی دعا سے فیصلہ ہوگا۔ اگرچہ فیصلہ دعاؤں سے ہی ہونے والا ہے۔

---

[1] ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۱۲۲ ۔ [2] ملفوظات جلد ۱ صفحہ ۱۲۲ ۔

مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ دلائل کو چھوڑ دیا جاوے۔ نہیں دلائل کا سلسلہ بھی برابر رکھنا چاہیئے۔ اور قلم کو روکنا نہیں چاہیئے .... اصل بات یہ ہے کہ جب تبتل تام اور انقطاع کلی سے دُعا کرے تو ایسے ایسے خارق عادت اور سماوی امور کھلتے ہیں اور سوجھتے ہیں کہ وہ دنیا پر حجت ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اس دعا کے وقت جو کچھ خدا تعالیٰ اُن کے استیصال کے وقت دل میں ڈالے وہ سب پیش کیا جاوے۔[1]

اسلام کی فتح و ترقی کا آخری حربہ

ہمارا اعتقاد ہے کہ خدا نے جس طرح ابتدا میں دُعا کے ذریعہ سے شیطان کو آدم کے زیر کیا تھا۔ اسی طرح اب آخری زمانہ میں بھی دعا ہی کے ذریعہ سے غلبہ اور تسلط عطا کرے گا نہ تلوار سے۔ ہر ایک امر کے لئے کچھ آثار ہوتے ہیں۔ اور اس سے پہلے تمہیدیں ہوتی ہیں۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ بھلا اگر انکے خیال کے موافق یہ زمانہ اُن کے دن پلٹنے کا ہی تھا اور مسیح نے آکر ان کو سلطنت دلانی تھی تو چاہیئے تھا کہ ظاہری طاقت اُن میں جمع ہونے لگتی ہتھیار اُن کے پاس زیادہ رہتے۔ فتوحات کا سلسلہ اُن کے واسطے کھولا جاتا۔ مگر یہاں تو بالکل ہی برعکس نظر آتا ہے ہتھیار ان کے ایجاد نہیں۔ ملک و دولت ہے تو اوروں کے ہاتھ ہے۔ ہمت و مردانگی

---

[1] ۲۴ جنوری ۱۹۰۳ء۔

ہے تواوروں ہیں۔ یہ ہتھیاروں کے واسطے بھی دوسروں کے محتاج۔ دن بدن ذلّت اور ادباران کے گرد ہے۔ جہاں دیکھو جس میدان میں سنو انہیں شکست ہے۔ بھلا کیا یہی آثار ہوا کرتے ہیں اقبال کے؟ ہرگز نہیں یہ بھولے ہوئے ہیں۔ زمینی تلوار اور ہتھیاروں سے ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتے ابھی تو ان کی خود اپنی حالت ایسی ہے اور بے دینی اور لامذہبی کا رنگ ایسا ہے کہ قابل عذاب اور موردِ قہر ہیں۔ پھر ایسوں کو کبھی تلوار ملی ہے؟ ہرگز نہیں۔ ان کی ترقی کی وہی سچی راہ ہے کہ اپنے آپ کو قرآن کی تعلیم کے مطابق بناویں اور دعا میں لگ جاویں۔ ان کو اب اگر مدد آوے گی تو آسمانی تلوار سے اور آسمانی حربہ سے نہ اپنی کوششوں سے اور دعا ہی سے ان کی فتح ہے۔ نہ قوت بازو سے یہ اس لئے ہے کہ جس طرح ابتدا تھی انتہا بھی اسی طرح ہو۔ آدم اوّل کو فتح دُعا ہی سے ہوئی تھی۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا انفسنا الخ اور آدم ثانی کو بھی جو آخری زمانہ میں شیطان سے آخری جنگ کرتا ہے اسی طرح دُعا ہی کے ذریعہ فتح ہو گی۔"

میں دیکھتا ہوں کہ یہ زمانہ اس قسم کا آ گیا ہے کہ انصاف اور دیانت سے کام نہیں لیا جاتا۔ اور بہت ہی تھوڑے لوگ ہیں جن کے واسطے دلائل مفید ہوسکتے ہیں۔ ورنہ دلائل کی پرواہی نہیں کی جاتی۔ اور ظلم کام

نہیں دیتا...... اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ دُعا سے آخری فتح ہو گی۔ اور انبیاء علیہم السلام کا یہی طرز رہا ہے کہ جب دلائل اور حجج کام نہیں دیتے۔ تو ان کا آخری حربہ دعا ہوتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا:۔

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ کُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ یعنی جب ایسا وقت آجاتا ہے۔ کہ انبیاء ورسل کی بات لوگ نہیں مانتے تو پھر دُعا کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے مخالف متکبر و سرکش آخر نامراد اور ناکام ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی مسیح موعود کے متعلق جو یہ آیا ہے وَ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰہُمْ جَمْعًا۔ اس سے بھی مسیح موعود کی دعاؤں کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ نزول از آسمان کے یہی معنے ہیں کہ جب کوئی امر آسمان سے پیدا ہوتا ہے تو کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور اُسے رد نہیں کر سکتا۔ آخری زمانہ میں شیطان کی ذریت بہت جمع ہو جاوے گی۔ کیونکہ وہ شیطان کی آخری جنگ ہے مگر مسیح موعود کی دعائیں اس کو ہلاک کر دیں گی۔ اسی طرح نوح علیہ السلام کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوا۔ جب حضرت نوحؑ تبلیغ کرتے کرتے تھک گئے۔ تو آخر انہوں نے دعا کی تو نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طوفان آیا جس نے شریروں کو ہلاک کر دیا۔ اور اس طرح پر فیصلہ ہو گیا.........

یہ زمانہ بھی نوح علیہ السلام کے زمانہ سے مشابہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے میرا

نام بھی نوح رکھا ہے ؎۱

جنگ روحانی ہے اب اس خادم و شیطان کا
دل گھٹا جاتا ہے یارب سخت ہے یہ کارزار
اے خدا شیطان پہ مجھ کو فتح دے رحمت کیساتھ
وہ اکٹھی کر رہا ہے اپنی فوجیں بے شمار
دل نکل جاتا ہے قابو سے یہ مشکل سوچ کر
اے مری جان کی پناہ فوج ملائک کو اتار
لشکر شیطان کے نرغے میں جہاں ہے گھر گیا
بات مشکل ہو گئی قدرت دکھا اے میرے یار ؎۲

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک دعا

"اے قادر خدا! اے اپنے بندوں کے راہنما۔ جیسا تو نے اس زمانہ کو صنائع جدیدہ کے ظہور و بروز کا زمانہ ٹھہرایا ہے۔ ایسا ہی قرآن کریم کے حقائق معارف ان غافل قوموں پر ظاہر کر اور اب اس زمانہ کو اپنی طرف اور اپنی کتاب کی طرف اور اپنی توحید کی طرف کھینچ لے۔ کفر اور شرک بہت بڑھ گیا۔ اور اسلام کم

؎۱ ثمین ص ۳۲۳ تا ۳۲۶ ؎۲ براہین احمدیہ پنجم۔

ہو گیا۔ اب اے کریم مشرق اور مغرب میں توحید کی ہوا چلا۔ اور آسمان پر جذب کا ایک نشان ظاہر کر۔ اے رحیم تیرے رحم کے ہم سخت محتاج ہیں اے ہادی تیری ہدایتوں کی ہمیں شدید حاجت ہے۔ مبارک وہ دن جس میں تیرے انوار ظاہر ہوں۔ کیا نیک ہے وہ گھڑی جس میں تیری فتح کا نقارہ بجے۔ توکلنا علیک ولا حول و لا قوۃ الا بک و انت العلی العظیم[1]

نوٹ:۔ "م" سے مراد ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہیں۔

---

[1] آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۱۳ - ۲۱۴ حاشیہ در حاشیہ۔

فضل کے ہاتھوں سے اب اس وقت کر میری مدد
کشتیٔ اسلام تا ہو جائے اس طوفان سے پار
دیکھ سکتا ہی نہیں میں ضعفِ دینِ مصطفےٰؐ!
مجھ کو کر اے میرے سلطاں کامیاب و کامگار
یا الٰہی فضل کر اسلام پر اور خود بچا!
اس شکستہ ناؤ کے بندوں کی اب سن لے پکار
یا الٰہی اک نشاں اپنے کرم سے پھر دکھا
گردنیں جھک جائیں جس سے اور مکذب ہوں خوار
اک کرشمہ سے دکھا اپنی وہ عظمت اے قدیر
جس سے دیکھے تیرے چہرے کو ہر اک عظمت شعار
تیری طاقت سے جو منکر ہیں انہیں اب کچھ دکھا
پھر بدل دے گلشن و گلزار سے یہ دشتِ خار
اک کرم کر پھیر دے لوگوں کو فرقاں کی طرف
نیز دے توفیق تا وہ کچھ کریں سوچ اور بچار
اے خدا تیرے لئے ہر ذرہ ہو میرا فدا
مجھ کو دکھلا دے بہارِ دیں کہ میں ہوں اشکبار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم)

فہرست مضامین حقیقۃ الدعا

ضیاء الاسلام پریس ربوہ

صحت نامہ

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
مسوبہ	مسودہ	پیش لفظ	۱
ردی	دی	۲۳	۱۱ سرخی
انعامات ہیں	انعامات ہیں	۲۵	۶
لفظ ہوتے	لفظ ہوتے ہیں	۲۹	۱۴
اغبار سے یا	اغیار سے پیار	۵۰	۱۱
مگر اللہ	مکر اللہ	۵۲	۸
بدبود	بدبو	۶۲	۱۵
نکر	فکر	۶۵	۱۴
خود غرضی	خود غرض	۷۵	۵
غار	نماز	۸۰	۱۲
دل دردمیں	دل میں درد	۸۱	۱۴
یاس	پاس	۸۲	۱۶
ہوجانے	ہوجائے	۸۴	۶
اسی فرمایا۔	اسی لئے فرمایا	۸۶	۱۶
چھوزنا	چھوڑنا	۸۷	۱۲
معلوم جائے	معلوم ہوجائے	۹۰	۱۷
سبق یاد ہے	سبق دیا ہے	۹۷	۱۷

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
ایک جگہ نہیں	ایک جگہ فصل نہیں	۹۹	۸
لیا	کیا	۱۰۷	۴
مان لینا یہ	مان لیتا ہے۔	۱۰۷	۹
دعائیں کرتا	دعا قبول کرتا	۱۱۲	۱۰
سمجھ پکڑنے	سمجھ کر پکڑنے	۱۱۷	۱
ہوگی	ہوگئی	۱۲۵	۱۱
موقع	مواقع	ر	آخری سطر